تین ننھے سُراغ رساں
اور
گھُس بھری بلّیاں

تین ننھے سُراغ رساں

اور

بھُس بھری بِلّیاں

سلیم احمد صدیقی

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

پہلی بار ۱۹۷۸

تعداد ۴۰۰۰

قیمت ۴روپے

شاداب نگر میں سرکس

عنبر اور نسیم کریم انٹرپرائز کے لان میں بیٹھے تھے۔ دونوں کے سر جھکے ہوئے تھے۔ عنبر بار بار اپنا دایاں ہاتھ اپنے ماتھے پر رکھتا اور سوچتا۔ اس کے بعد وہ مُسکراتا اور 'ہوں' کہتا ہوا اپنے کام میں مصروف ہو جاتا۔ وہ دراصل کچھ بنا رہا تھا۔

جب سُراغ رساں نمبر ایک کے پاس فرصت کا وقت ہوتا تو وہ کچھ نہ کچھ بنانے میں مصروف ہو جاتا۔ آج کل بھی فرصت کا زمانہ تھا اور عنبر اپنی

عادت کے مطابق کچھ بنا رہا تھا اور نسیم بڑی دلچسپی کے ساتھ اُسے کام کرتے دیکھ رہا تھا۔ ان دونوں کے درمیان کچھ اوزار وغیرہ پڑے تھے اور چند ایک پرزے جو عنبر نے خالُو کریم کی دکان کے کباڑ خانے میں سے لیے تھے۔ اب وہ انہیں ایک خاص ترتیب سے جوڑ کر کوئی آلہ بنانا چاہتا تھا۔

"بھئی، عنبر! کہاں ہو تم؟" اچانک خالُو کریم کی آواز سنائی دی۔

عنبر اپنے کام میں اتنا مگن تھا کہ اسے خالُو جان کی آواز سنائی ہی نہ دی، مگر نسیم نے جواب دیا۔ "ہم یہاں ہیں خالُو جان، لان میں۔"

چند لمحوں بعد خالُو کریم لان میں آ پہنچے۔ ان کے ہاتھوں میں لکڑی کے دو ٹب تھے۔ انہوں نے عنبر اور نسیم کے پاس آ کر ٹب دھم سے زمین پر رکھ دیے اور بولے۔ "لڑکو! ذرا ایک کام تو کر دو۔ ان دونوں ٹبوں پر سبز اور سفید روغن کی دھاریاں بنا دو۔"

"دھاریاں؟" نسیم نے کہا۔

"ابھی؟" عنبر نے سر اُوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ اس کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ جس وقت وہ اپنا کام اپنا کام کر رہا ہوتا خاص طور پر کوئی چیز بنا رہا ہوتا تو اس وقت اسے درمیان میں اُٹھتے ہوئے دُکھ سا ہوتا تھا۔ اس کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ جو چیز اس کے دماغ میں آئی ہے اسے پوری طرح تیّار کر کے ہی اٹھے۔

"ہاں، دھاریاں، اور ابھی۔" خالُو جان نے کہا۔ "اسی وقت۔ یہ تم کیا بنا رہے ہو؟"

"فون گرام ٹیلی سٹیریو۔" نسیم نے عجیب و غریب سا نام لیا۔ "میرے خیال میں تو عنبر ایسا ہی کچھ بنا رہا ہے۔ مگر یہ تو اُس وقت تک کچھ بتاتا ہی نہیں جب تک چیز بن کر مکمل نہ ہو جائے۔"

خالُو نسیم کے عجیب و غریب نام پر مُسکرائے اور بولے شاید میں تمہیں اس وقت فوراً یہ کام کرنے کو نہ کہتا، مگر مجھے یہ کام بہت جلد بہت جلد کرانا ہے۔ اور اگر میں کسی آدمی کو بُلا کر اس سے کراؤں تو پھر یہ ٹب اسی آدمی کے ہاتھ بھجواؤں گا۔ انصاف کا تقاضا تو یہی ہے۔"

آخری فقرے پہ عنبر اور نسیم، دونوں کے، کان کھڑے ہو گئے۔ ”انصاف کا تقاضا کیا ہے۔۔۔ ٹب کوئی خاص قسم کا گاہک خرید رہا ہے؟“ عنبر نے پوچھا۔

”بوجھو تو جانیں۔“ خالُو جان نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ وہ بعض اوقات بچّوں میں بچّہ بن جایا کرتے تھے، اور بچّے ان کی اس عادت کی وجہ سے انہیں بہت پسند کیا کرتے۔

”میں بتاؤں؟“ نسیم نے آنکھیں چمکاتے ہوئے کہا۔ ”یہ ٹب نیشنل ڈرائی کلینز قسم کی کسی دکان کا مالک خرید رہا ہو گا۔“

”یا قومی مچھلی گھر۔“ عنبر نے بھی اپنے چہرے پر مُسکراہٹ لاتے ہوئے کہا ”آخر اس پر سبز اور سفید روغن کی دھاریاں کیوں کرائی جا رہی ہیں؟“

”اونہوں! دونوں کے انداز سے غَلَط ہیں۔“ خالُو جان نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”یہ تو جناب، شیر کے لیے ہیں۔“

”رہنے دیجیے۔“ نسیم نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”بس ساری دنیا میں ایک ہم ہی بے وقوف ملے ہیں آپ کو۔ بھلا شیر بھی کہیں ٹب میں بیٹھتے ہیں۔ اور بھلا کسی شیر کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ آپ کو آرڈر دے کر کہے کہ مجھے دو گھنٹے کے اندر اندر سبز اور سفید ٹب۔۔۔۔۔۔“

عنبر جو کچھ سوچ رہا تھا، اچانک نسیم کا فقرہ کاٹتے ہوئے بولا۔ ”نسیم! خالُو جان ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔ اگر ان ٹبوں کو اُلٹا کر رکھ دیا جائے تو ان پر شیر بیٹھ سکتا ہے اور شیر دھاری دار ٹب پر بیٹھ کر بڑا پُر وقار نظر آئے گا۔“

”مگر عنبر شاداب نگر میں شیر ہے کہاں؟“ نسیم نے جھنجھلاتے ہوئے پوچھا۔

”یہ تو مجھے بھی معلوم نہیں۔“

”لیکن لڑکو! ایک شیر شاداب نگر میں موجود ہے، اس وقت۔“ خالُو جان نے سنجیدگی سے کہا۔

"ک۔۔۔ک۔۔۔ کہاں؟" نسیم نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا آپ کسی چڑیا گھر کی نیلامی میں سے کوئی شیر تو نہیں خرید لائے؟"

خالُو جان مُسکرانے لگے۔ "بھئی لاحول ولا۔۔۔۔"

"میں سمجھ گیا۔" عنبر کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ "شاداب نگر میں آج صبح جس سرکس کے آنے کی منادی ہو رہی تھی، اس سرکس میں شیر بھی ہو گا اور آپ کو۔۔۔"

"ہاں، انہوں نے مجھے دو ٹب مہیّا کرنے کا آرڈر دیا ہے جو شام کو ٦ بجے سے پہلے پہلے اُن کے پاس پہنچ جانے چاہئیں۔"

"ارے سرکس!" نسیم خوشی سے چلّایا۔ "خالُو جان! ہم ابھی یہ ٹب تیّار کر دیں گے۔ آپ رنگ لائیے۔"

خالُو دکان پر سے روغن کے ڈبّے اور برش لینے گئے تو نسیم بولا۔ "عنبر جب ہم یہ ٹب سرکس میں پہنچانے جائیں گے تو ہو سکتا ہے ہم سرکس کی سیر کر

سکیں۔ میرا مطلب سے اندر سے۔۔۔۔“

”ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمارے لیے سرکس کے اندر سیر کرنے کا یہ بڑا اچھا موقع ہے۔“عنبر نے اپنا سامان سمیٹتے ہوئے کہا۔”یہ آلہ تو ہم کل بھی بنا سکتے ہیں۔“

اِدھر خالُو جان نے روغن نے ڈبّے انہیں لا کر دیے، اور ادھر وہ دونوں کام میں لگ گئے۔ سرکس کے تصوّر نے ان میں جوش پیدا کر دیا تھا اور انہوں نے ایک گھنٹے کے اندر اندر دونوں ٹب تیّار کر کے سُوکھنے کے لیے رکھ دیے۔ اس کے بعد وہ دونوں خفیہ ہیڈ کوارٹر میں چلے گئے تا کہ اپنے اپنے جمع کیے ہوئے پیسے لا سکیں۔ صبح مُنادی والا کہہ رہا تھا کہ سرکس کے ساتھ طرح طرح کے کھیل تماشے بھی ہیں۔ ہو سکتا ہے کوئی کھیل تماشا دیکھنے کو ان کا جی مچل اُٹھے۔ اس لیے ان کی جیب میں پیسے موجود ہونے چاہیں۔

پیسے لینے کے بعد دونوں دوست سائیکلوں پر سوار ہو کر عاقِب کے ہاں

گئے۔ عاقِب آج صبح ہی کراچی سے واپس آیا تھا، اور تھکن اُتار رہا تھا۔ جونہی اسے پتا چلا کہ عنبر اور نسیم آئے ہیں، وہ آنکھیں ملتے ہوئے بستر سے اُٹھ بیٹھا۔

"ہم آج شام سرکس جارہے ہیں۔" عنبر نے اسے بتایا۔ "آج تو میں تھکا ہوا ہوں۔ کل نہ چلیں؟" عاقِب نے تجویز پیش کی۔

"نہیں کل جانے سے کوئی فائدہ نہیں۔"

"کیوں؟" عاقِب نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا کل سرکس چلا جائے گا؟"

"نہیں۔ ہم سرکس دیکھنے نہیں، سرکس کے اندر جارہے۔"

"اندر؟ اندر ہم کیسے جاسکتے ہیں؟" عاقِب چوکنا ہو کر بولا۔ "وہ لوگ بھلا ہمیں کیسے اندر۔۔۔۔"

"تم اندر جانا چاہتے ہو نا۔" عنبر نے اس کے شوق کو بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں، مگر۔۔۔۔۔"

”اگر مگر چھوڑو۔ ہم آج شام ٦ بجے سے پہلے پہلے سرکس کے اندر جا رہے ہیں۔“

”تو میں کپڑے بدل لوں۔“ عاقِب تیز تیز چلتا ہوا دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔

راستے میں عنبر اور نسیم نے عاقِب کو پوری بات بتا دی۔ جب وہ گھر پہنچے تو ۵ بجنے والے تھے۔ انہوں نے ٹب لیے اور خالُو جان سے تفصیل پوچھ کر روانہ ہو گئے۔ شاداب نگر کے ایک سِرے پر سمندر تھا اور ساحل کے قریب ہی ایک لمبا چوڑا تفریحی پارک بنا ہوا تھا۔ سرکس اسی جگہ کے قریب خالی جگہ میں لگا ہوا تھا۔ شاداب نگر کے پارک کو بنے ہوئے خاصا لمبا عرصہ گزر گیا تھا۔ مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کے سبب اب یہ جگہ ویران سی پڑی تھی اور لوگوں نے تفریح کرنے کے لیے اس سے بہتر جگہیں ڈھونڈ لی تھیں۔

ابھی تینوں دوست سرکس سے خاصے دور تھے کہ ریکارڈنگ کی آواز آنے

لگی۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتے گئے، آواز تیز ہوتی گئی۔

سرکس میں ابھی شو شروع نہ ہوا تھا۔ تماشا دکھانے کے لیے ایک لمبا چوڑا اور اونچا تنبو لگایا گیا تھا۔ اور دو آدمی عجیب و غریب حلیہ بنائے، دروازے کے دائیں بائیں، اُلٹی سیدھی حرکتیں کر رہے تھے تاکہ لوگ انہیں دیکھ کر وہاں جمع ہوں اور سرکس دیکھنے کے لیے ٹکٹ خریدیں۔

اس تنبو کے پیچھے لکڑی کا جنگلا لگا کر کچھ جگہ گھیری گئی تھی، اور یہاں سرکس میں کام کرنے والے لوگوں اور جانوروں کی رہائش کا انتظام تھا۔

سرکس کے لوگ کھیل کی تیّاری کر رہے تھے۔ ایک جگہ دو جوکر ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے، اور ایک دوسرے کو دھکا دے کر گرانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن جو جوکر بھی زمین پر ِگرتا، وہ اُچھل کر پھر کھڑا ہو جاتا۔

عنبر، نسیم اور عاقِب نے شیر کو سدھانے والے آدمی کا خیمہ جلد ہی تلاش کر لیا۔ اس کے اُوپر ایک سُرخ کپڑے کا بورڈ لگا ہوا تھا جس پر بھدّے سے

خط میں لکھا تھا:

”شیروں کا چمپین، چیتوں کا بادشاہ، عادل چمپین، جس نے راجا شیر کو سدھایا۔“

اس خیمے کے باہر کھڑے ہو کر عنبر نے آواز دی۔ ”جناب عادل صاحب! جناب چمپین صاحب!“

چند لمحوں بعد ایک لمبا تڑنگا آدمی چمک دار سبز اور سفید رنگوں کی دھاریوں والی وردی پہنے خیمے سے باہر آیا اور بولا۔ ”تم لوگ کریم انٹرپرائز سے آئے ہو؟“ اس نے رنگے ہوئے ٹب دیکھ لیے تھے۔ ”اخّاہ! تو میرے راجا کے ٹب تیّار ہو گئے!“

”جی ہاں۔“ عنبر نے کہا۔ ”کریم انٹرپرائز میں ہر چیز مل سکتی ہے۔“ اس نے بڑے فخر سے بتایا۔

”خوب!“ عادل نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”ان ٹبوں کو اندر رکھ دو، اور بتاؤ

میں تمہاری کیا خاطر کروں؟ اس وقت تو شو شروع ہونے میں تھوڑی ہی دیر ہے اگر تم ذرا پہلے آجاتے تو میں کچھ چائے پانی۔۔۔۔"

"گستاخی معاف، جناب۔" یکایک، عنبر بولا۔ "چائے پانی تو ہم لوگ پی کر آئے ہیں۔ اگر آپ۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔" وہ جھجک کر خاموش ہو گیا۔

"اوہ!" عادل جیسے اُس کی بات سمجھ گیا ہو۔ وہ زور سے قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ "ارے بھئی، سرکس دیکھنا ہے؟"

عنبر نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

"تو شوق سے دیکھو۔ ٹھہرو! میں تمہیں ایک چِٹ بنا دیتا ہوں۔" عادل نے ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر اپنے دستخط کر دیے۔

"یہ لو چِٹ۔ اب تم سرکس کے اندر، باہر ہر جگہ کی سیر کر سکتے ہو۔"

"ہم آپ کا شکریہ کس منہ سے کریں؟" عاقِب نے کہا۔

"کسی منہ سے بھی نہیں۔" عادل نے اس انداز سے کہا کہ تینوں دوستوں کو

ہنسی آ گئی۔ ”کریم انٹرپرائز نے میرے لیے اتنی جلدی ٹب تیّار کر دیے اور میں اُن کے اتنا کام بھی نہ آؤں؟“

”کیا اس سے پہلے آپ شیروں کو کسی اور چیز پہ بٹھاتے تھے؟“ عنبر نے اچانک پوچھا۔

”نہیں۔ میں نے شیر کو ایسے ہی رنگ کے ٹب پر بیٹھنا سکھایا ہے۔ ہوا یوں کہ ہم حاصل پور سے چلنے والے تھے کہ اچانک کچھ خیموں میں آگ لگ گئی۔ راجا کے بیٹھنے کے ٹب بھی اُس آگ میں جل گئے۔ اب ہمیں یہاں شو کرنا ہے اور راجا کسی اور اسٹول پر نہیں بیٹھ سکتا۔ اسی لیے ان دونوں ٹبوں کا وقت پر پہنچنا بہت ضروری تھا۔ اچھا، اب میں تیّاری کرتا ہوں۔ تم لوگ چاہو تو یہاں گھوم پھر لو۔“

”آپ کا بہت بہت شکریہ، جناب!“ عنبر نے شکریہ ادا کیا اور پھر تینوں اس خیمے سے باہر نکل آئے۔

سرکس کے تنبو کے باہر، ایک طرف کو، سرکس والوں نے کچھ اسٹال لگا

رکھے تھے۔ ایک اسٹال میں نشانہ بازی کا مقابلہ ہو رہا تھا۔ ایک لڑکا اس اسٹال میں بیٹھا ہوا تھا اور بالکل عنبر، نسیم اور عاقِب کا ہم عُمر تھا۔ ایک مرد وہاں کھڑا نشان لگا رہا تھا۔

عنبر، نسیم اور عاقِب آگے بڑھے ہی تھے کہ اچانک اسٹال پر سے انہیں ایک مردانہ آواز آئی۔ ”مجھے میرا انعام دو۔“

جونہی عنبر اُدھر دیکھنے کے لیے مُڑا، وہ مرد اسٹال سے ایک بھُس بھری بِلّی اُٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اسٹال میں بیٹھا ہوا لڑکا چلّایا۔ ”پولیس! مدد! یہ میری بِلّی لے کر بھاگ رہا ہے! مدد!“

وہ آدمی سیدھا عنبر کی طرف بڑھا اور اس سے پہلے کہ عنبر کچھ سوچتا، دھڑام سے اُس کے ساتھ ٹکرایا اور دونوں نیچے گر پڑے۔

عنبر کی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے!

عجیب چور

عنبر نے اُٹھنے کی کوشش کی، لیکن وہ اُٹھ نہ سکا۔ جب اسے ہوش سا آیا تو دوسرا آدمی اُس سے پہلے اُٹھ چکا تھا۔ عنبر کو اُس آدمی نے ایک ہاتھ سے پکڑ رکھا تھا، دوسرے ہاتھ کی بغل میں بھُس بھری بِلّی لٹک رہی تھی اور اُسی ہاتھ میں ایک کمانی دار چاقو کھُلا ہوا تھا۔

سرکس کے دو چوکی دار جو مدد مدد کی پُکار سُن کر اُس طرف آ گئے تھے، اس منظر کو دیکھ کر جھجک سے گئے۔ کچھ اور لوگ بھی تھے جو شاید سرکس دیکھنے

آئے تھے لیکن ابھی شو شروع نہ ہونے کے باعث اِدھر اُدھر گھُوم رہے تھے۔

"خبردار! کوئی آگے بڑھنے کی جرأت نہ کرے!" کالے چشمے اور کالی مونچھوں والا آدمی چلّایا۔ "اگر کوئی شخص میری طرف بڑھا تو یہ چاقو اس لڑکے کے پیٹ کے پار ہو جائے گا۔"

ظاہر ہے کہ اس دھمکی کے بعد کسی کو آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ آدمی آہستہ آہستہ باہر کی طرف سِرکنے لگا مگر اُس نے عنبر کو اُسی طرح پکڑے رکھا اور چاقو بھی کھُلا رکھا۔

عنبر کا دماغ بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس کے پاس چند ہی لمحے تھے۔ اگر اُس نے پھُرتی سے فیصلہ نہ کیا کہ اسے کیا کرنا چاہیے تو نہ جانے کیا ہو گا۔ یکایک عنبر کی آنکھوں کے سامنے جیسے بجلی سی کوند گئی۔ اسے یاد آیا کہ ایک سُراغ رسانی کے ناول میں اس نے پڑھا تھا کہ ایک چور اسی طرح کسی سُراغ رساں کو پکڑ کر بھاگ رہا تھا کہ اچانک سُراغ رساں ایک طرف

کو منہ کر کے کہتا ہے۔ ”تم بھی اِس کے ساتھی ہو؟“ یہ سُن کر چور ایک لمحے کو مُڑ کے دیکھتا ہے اور اُسی لمحے سُراغ رساں آزاد ہو جاتا ہے۔

یہ ترکیب ناول میں تو بڑی اچھی تھی۔ کیا حقیقی زندگی میں بھی یہ اتنی ہی اچھی ثابت ہو گی؟ عنبر کے پاس بچنے کا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اس نے اپنے دائیں طرف کو گردن موڑ کر زور دار نعرہ لگایا۔ ”ارے تم بھی!“ اسی لمحے بِلّی چور نے اُدھر مُڑ کے دیکھا۔ ظاہر ہے وہاں کوئی بھی نہ تھا، مگر ترکیب کامیاب ہو چکی تھی۔ عنبر نے زور نے ایک جھٹکے سے اپنے آپ کو اُس کی گرفت آزاد کرا لیا۔

اُس آدمی نے بڑے غصّے سے اُس کی طرف دیکھا لیکن اتنے میں دونوں چوکی دار اس طرف آ گئے اور وہ آدمی بھاگ کھڑا ہوا۔

نسیم اور عاقِب بھی چور کا پیچھا کر رہے تھے۔ عنبر نے زور سے کہا۔ ”پکڑ لو! جانے نہ پائے!“

چور نے اپنی رفتار اور بڑھا دی۔ اب وہ سرکس سے پرے، ساحل کی

طرف، جا رہا تھا۔ تینوں سُراغ رساں اور دونوں چوکی دار ساحل پر پہنچے تو وہ غائب ہو چکا تھا۔

”ہم اُسے جانے نہ دیں گے۔“ ایک چوکیدار نے کہا۔

”ہاں، اب وہ بچ کر بھاگ بھی نہیں سکتا۔ اس پارک کے دونوں طرف اُونچا جنگلا ہے اور ایک طرف ہم کھڑے ہیں۔ چوتھی طرف سمندر ہے۔“نسیم نے ہانپتے ہوئے کہا۔

”ہم یہاں ٹھہرتے ہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”آپ دونوں اُسے جا کے پکڑ لائیں۔ اگر اس نے اِدھر آنے کی کوشش کی تو ہم اس سے نپٹ لیں گے۔“

چوکیدار ساحل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان دونوں نے بندوقیں سنبھال رکھی تھیں۔

عنبر، نسیم اور عاقِب پارک کے داخلے کے راستے پر کھڑے رہے۔ وہ ایک

ایک لمحہ گِن کر کاٹ رہے تھے۔ جب چوکیداروں کو گئے ہوئے دس پندرہ منٹ ہو گئے تو عنبر نے کہا۔ ”کہیں کچھ ہو نہ گیا ہو! آؤ، ذرا دیکھیں تو سہی۔“

وہ بڑی احتیاط سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ آخر کار وہ ساحل پر جانکلے جہاں دونوں چوکیدار خاموش کھڑے تھے۔ کالی مونچھوں اور کالی عینک والا بِلّی چور وہاں موجود نہ تھا۔

”یہاں تو ہمیں کوئی بھی نہیں ملا۔“ ایک چوکیدار نے کہا۔ ”ہم نے سارا علاقہ دیکھ لیا۔“

”حیرت ہے!“ عنبر بولا۔ ”پھر وہ گیا کہاں؟“

”آیا تو اِدھر ہی تھا۔“ نسیم بولا۔ ”اور یہاں سے باہر جانے کا صرف ایک راستہ تھا جہاں ہم کھڑے تھے۔ پھر وہ کہاں چلا گیا؟“

”ہو سکتا ہے ہمیں دھوکے میں ڈال کے واپس چلا گیا۔“ ایک چوکیدار

بولا۔

”میں نہیں مان سکتا۔ وہ اتنی جلدی یہاں سے باہر نہیں نکل سکتا۔“ عاقِب نے خیال ظاہر کیا۔

”ہو سکتا ہے وہ سمندر میں کُود گیا ہو۔“ نسیم بولا۔

”لیکن ہمیں نہ تو سمندر میں کسی کے کودنے کی آواز آئی اور نہ یہاں کوئی کشتی تھی جس میں بیٹھ کر وہ فرار ہو سکتا۔“ چوکیدار نمبر دو نے کہا۔

”ہو سکتا ہے وہ سمندر میں ڈوب گیا ہو۔“ عاقِب نے کہا۔

”یہ بات صحیح نہیں ہو سکتی۔“ عنبر نے کہا۔ ”بِلّی چُرانے کا جرم اتنا سنگین نہیں کہ چور پکڑے جانے کے ڈر سے سمندر میں ڈوب مرے۔“

”لیکن عنبر!“ نسیم نے کہا۔ ”یہ مت بھولو کہ اس نے تمہارے اُوپر چاقو تان لیا تھا۔“

”چور کسی دوسرے پر حملہ کر سکتا ہے۔“ عنبر نے اُسے سمجھایا۔ ”لیکن وہ

بلا وجہ اپنی جان کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔"

"یہ تو سب ٹھیک ہے۔" پہلے چوکیدار نے کہا۔ "مگر بیٹے، آخر وہ گیا کہاں؟"

"یہ تو مجھے بھی پتا نہیں۔" عنبر نے مسمسی سی صورت بناتے ہوئے کہا۔ "مگر اتنا ضرور ہے کہ۔۔۔۔۔"

"عنبر! یہ دیکھو!" یکایک عاقِب نے دور سے آواز دی۔ وہ ٹہلتا ٹہلتا جنگلے کے قریب چلا گیا تھا تاکہ جنگلے کا جائزہ لے سکے اور اب ان سب کو وہاں بُلا رہا تھا۔

"یہ رہی وہ بِلّی جو چور لے کر بھاگا تھا؟" اُس نے بتایا۔ اُس کے ہاتھ میں وہی دھاری دار بِلّی تھی جو چور لڑکے کے نشانہ بازی والے اسٹال سے لے کر بھاگا تھا۔ عنبر نے بِلّی ہاتھ میں لے کر اُسے غور سے دیکھا اور کہنے لگا۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ چور یہاں ہی آیا تھا۔ لیکن کسی وجہ سے بِلّی ساتھ نہ لے جاسکا۔"

”اور اس کا یہ مطلب بھی ہوا کہ چور اِدھر سے جنگلا پھلانگ کر گیا ہے۔“ عاقِب بولا۔

”یہ بات صحیح نہیں ہو سکتی۔“ عنبر نے کہا۔ ”اس لیے کہ جنگلا اتنا اُونچا ہے کہ کوئی بھی آدمی اس کے اُوپر چڑھ کر پار نہیں اُتر سکتا۔ جنگلے کی بناوٹ بھی اسی ہے کہ اُسے عبور نہیں کیا جا سکتا۔“

”بھئی، میں سمجھ گیا کہ چور کس طرح یہاں سے چلا گیا۔“ نسیم جو کافی دیر سے چُپ تھا، اچانک بول پڑا۔

”کس طرح؟“

”اس طرح کہ اس نے دو خفیہ پَر رکھے ہوئے تھے۔ یہاں آ کر اُس نے وہ پَر اپنے جسم پر چپکا لیے اور جنگلا عبُور۔۔۔۔“

”بھئی نسیم، یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔“ عنبر نے کہا۔

”میں کب مذاق کر رہا ہوں۔“ نسیم نے سنجیدگی کہا۔ ”یا تو چور نے اُڑ کر

جنگلا پار کر لیا ہو گا ورنہ پھر اس جنگلے کے نیچے سے کوئی سُرنگ گُزرتی ہو گی جس میں سے نکل کر وہ بھاگ گیا۔“

”تمہاری دوسری بات میں جان معلوم ہوتی ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”اور ہمیں دیکھنا چاہیے کہ یہاں کوئی سُرنگ تو نہیں؟“

لیکن عنبر کو اس خیال میں ناکامی ہوئی۔ وہاں کوئی بھی سُرنگ نہ تھی۔

”نسیم؟“ عنبر نے سنجیدگی سے کہا۔ ”تم نے یہ بات مذاق میں کہی تھی لیکن صحیح بات وہی ہو سکتی ہے۔“

”کیا؟“ نسیم نے حیرت سے کہا۔ ”وہ آدمی اِس جنگلے کو پھلانگ کر ہی گیا ہے۔“

”مگر اس جنگلے کی اونچائی اور بناوٹ تو ایسی ہے کہ۔۔۔۔“ ایک چوکیدار کہنے لگا۔

”آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“ عنبر نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے خاموش

کرتے ہوئے کہا۔ ”مگر جب ساری باتیں ناممکن ہوں تو ان میں سے ایک نہ ایک بات ضرور ممکن ہو سکتی ہے۔“

”میرا خیال ہے، اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔“ دوسرے چوکیدار نے کہا۔ ”ہمیں تھانے جا کے رپٹ لکھوانا پڑے گی۔“

”یہ بِلّی مجھے دے دو۔ میں اس لڑکے کو دیتا جاؤں گا۔“ پہلے چوکیدار نے کہا۔

عنبر اسے بِلّی دینے لگا تھا مگر پھر ایک دم اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور بولا۔ ”اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو ہم یہ بِلّی اُسے لوٹا دیں گے۔ دراصل ہم نشانہ بازی کے مقابلے میں اس وقت حصّہ لینے کو سوچ ہی رہے تھے جب چور۔“

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔“ دوسرے چوکیدار نے کہا۔ ”تم ہی یہ بِلّی واپس لے جاؤ۔ ہم پولیس میں رپٹ درج کرا کے آتے ہیں۔“

چوکیداروں کے جانے کے بعد تینوں سُراغ رسانوں نے نشانہ بازی کے

اسٹال کی راہ لی۔

”عنبر، ہم نشانہ بازی کے مقابلے میں حصّہ لینے کی کب سوچ رہے تھے؟“ نسیم نے پوچھا۔ ”سوچ تو نہیں رہے تھے لیکن میں اب یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آخر اس کالی عینک اور کالی مونچھوں والے شخص نے بُھس بھری بِلّی کیوں اُٹھائی، اور کیوں وہاں سے بھاگا۔“ عنبر نے یہ کہہ کر پہلی بار غور سے اس بِلّی کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا۔ ”ارے! اس بِلّی کو تو اس ظالم نے مروڑ دیا ہے!“

یہ ایک بھُوری اور کالی دھاریوں والی بِلّی تھی۔ اس کی آنکھوں کی جگہ شیشے کے چمک دار نگ لگائے گئے تھے اور جسم کے اندر بھُس بھرا ہوا تھا۔ مگر اب اس کا پیٹ مروڑ دیا گیا تھا اور اس کے دو پاؤں نیچے اور دو اُوپر ہو گئے تھے۔ عنبر نے اس کے پیٹ کو مروڑی دے کر پھر چاروں ٹانگیں نیچے کر دیں۔

”آخر اس آدمی کو اس بِلّی کے پیچھے اتنا دنگا فساد کرنے کی کیا ضرورت

تھی؟" عاقِب بولا۔

"ہو سکتا ہے اسے بُھس بھرے ہوئے جانور جمع کرنے کا شوق ہو۔" عنبر نے کہا۔

"سُراغ رساں نمبر ایک!" عاقِب بولا۔ "یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ کیا شوق میں آدمی چوری کرتا ہے؟"

"شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر لوگ بڑی عجیب و غریب حرکتیں کر جاتے ہیں۔ اور ہاں، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس نے سچ مُچ یہ انعام جیت لیا ہو اور اسٹال کا مالک بے ایمانی کر رہا ہو؟"

"اوہ! یہ بات تو ہمارے ذہن میں آئی ہی نہ تھی۔" نسیم نے کہا۔ "اگر مجھے کوئی آدمی میرا جیتا ہوا انعام نہ دے تو میں بھی شاید چھین کر بھاگ جاؤں۔"

اب وہ نشانہ بازی کے اسٹال پر پہنچ چکے تھے۔ اسٹال پر کھڑے ہوئے

لڑکے نے مُسکرا کے ان کا استقبال کیا۔

"میری بِلّی واپس مل گئی! بہت اچھّے تم لوگوں کا بہت بہت شکریہ! کیا چور پکڑا گیا؟"

"نہیں۔ چور بھاگ گیا۔" عنبر نے بِلّی واپس کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ پولیس اسے پکڑ لے گی۔" لڑکے نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "ذرا اس کی دیدہ دلیری تو دیکھو۔ اس نے پانچ فائروں میں صرف تین بطخیں گرائیں اور ہارنے کے بعد بھی انعام جھپٹ کر بھاگ گیا۔ تم نے میرے لیے بہت تکلیف اُٹھائی۔ کیا تم بھی اِس سرکس میں بھرتی ہوئے ہو؟"

"نہیں۔" نسیم نے کہا۔ "ہم تو یہاں عادل چمپین صاحب کو شیر کے لیے لکڑی کے دو ٹب دینے آئے تھے۔"

"مجھے تم لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" لڑکے نے اپنا پتلا اور لمبا سا

ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”میرا نام انور ہے۔“ عنبر، عاقِب اور نسیم نے بھی اپنا تعارف کرا دیا۔

”مگر تم اتنی سی عمر میں سرکس میں ملازم کیسے ہو گئے؟“ عنبر نے پوچھا۔

”ملازم؟“ انور مُسکرایا۔ ”میں ملازم نہیں ہوں۔ یہ سرکس میرے ابّو کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے آہستہ آہستہ سارے کام سیکھنے چاہیں۔ آج کل میں اس اسٹال پر ہوں۔ آؤ، تم بھی نشانہ لگاؤ۔ ہو سکتا ہے انعام جیت لو۔“

انعام جیتنے کا سُن کر نسیم کے منہ میں پانی بھر آیا اور وہ آگے بڑھ کر بولا۔ ”میں یہ انعام جیتوں گا۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے بندوق اُٹھائی اور سامنے بورڈ پر بندھی ہوئی بطخوں کی ایک قطار کو نشانہ بنانے لگا۔

”ٹھہر جاؤ! ابھی فائر نہ کرنا!“ انور اچانک چلّایا۔

خطرہ! شیر!

”کیوں؟ کیا ہوا؟“ نسیم نے گھبرا کے پوچھا۔

”ایک نشانہ لگانے کی فیس ۵۰ پیسے ہے۔“ انور نے دایاں ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”پہلے میری فیس یہاں رکھ دو۔“

”اوہ!“ نسیم نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”میں تو ڈر ہی گیا تھا۔“ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پچاس پیسے کا ایک سِکّہ انور کی ہتھیلی پر رکھ دیا اور بندوق اُٹھالی۔ اسٹال پر کئی اور لوگ بھی جمع ہو چکے تھے۔ نسیم نے

بڑے اطمینان سے بندوق چلائی اور پہلی بطخ گر گئی۔

"وہ مارا۔" انور چلّایا۔ "بس چار بطخیں اور گرا لو، اور پھر یہ خوب صورت بِلّی تمھاری ہو جائے گی۔ شاباش! شاباش!"

نسیم نے اُس کی بات سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے پھر نشانہ لگایا اور دوسری بطخ بھی گرا دی۔ اسی طرح تیسری بطخ بھی گر گئی۔

انور اُچھل پڑا۔ "واہ وا! واہ وا! دیکھیے صاحبان، مہربان، قدردان! تین نشانوں میں تین بطخیں گر چکی ہیں۔ دو نشانے اور لگا کے یہ بھائی بھی جیت لے گا۔ آیئے، آپ بھی جیتئے۔ صرف پچاس پیسے میں۔ صرف پچاس پیسے میں۔ کل ہی چار بِلّیاں جیت چکے ہیں۔ اب یہ پانچویں بِلّی جا رہی ہے۔"

جب تک انور بولتا رہا، نسیم نے فائر نہ کیا۔ کھڑا اُس کی باتیں سُنتا رہا۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ شاید وہ بِلّی جیت لے۔ شاید نہ جیت سکے۔ اس نے پھر ایک فائر کیا، اور لو! چوتھی بطخ بھی گر گئی!"

”شاباش! شاباش!“ انور اُچھل پڑا۔ ”بس ایک فائر اور ایک بطخ، اور بِلّی تمہاری ہو جائے گی۔ جلدی کرو۔“

نسیم نے مُسکرا کے عنبر کی طرف دیکھا تو اس نے مُسکرا کر کہا۔ ”تم انور کی باتوں کی طرف دھیان نہ دو۔ اطمینان سے نشانہ لگاؤ۔ یہ تو اِن لوگوں کی چال ہوتی ہے تا کہ نشانہ لگانے والا گھبرا جائے اور نشانہ غلط ہو جائے!“

نسیم نے بندوق اُٹھائی اور ایک دو لمحے دیکھنے کے بعد فائر کر دیا۔ پانچویں بطخ بھی گِر گئی!

نسیم نے آگے بڑھ کر بِلّی اُٹھالی۔ اس وقت اسٹال پر یہی ایک بِلّی تھی۔ وہ بہت خوش تھا۔

”آیئے جناب، اب بِلّیاں تو ختم ہو چکی ہیں، لیکن میرے پاس اِس سے بھی زیادہ پیاری چیز انعام کے لیے ہے۔ اور وہ ہے، پیارا پیارا نازک ٹیبل لیمپ۔ آیئے صاحبان صرف پانچ نشانے لگایئے اور ایک پیارا سا ٹیبل لیمپ حاصل کیجئے۔“

”یہ لو پچاس پیسے۔“ ایک آدمی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ انور نے بندوق اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اپنے الفاظ کی گردان شروع کی ہی تھی کہ اُس آدمی نے اچانک کہا۔ ”مگر ٹیبل لیمپ ہے کہاں؟“

”اوہ!“ انور نے کھسیانا سا ہوتے ہوئے کہا۔ ”ابھی لایا جناب۔“ انور اسٹال سے اُٹھا اور عنبر سے بولا۔ ”تم ذرا اسٹال کا دھیان رکھنا، میں اپنے خیمے کے اندر سے چند ٹیبل لیمپ لے کر آتا ہوں۔ اور تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔ ہم کئی ٹیبل لیمپ لے آئیں گے۔“

”چلو!“ نسیم اور عاقِب نے کہا۔

”آیئے مہربان قدر دان!“ عنبر نے اسٹال کے اندر جاتے ہی ہانک لگائی۔ ”صرف پانچ نشانے لگائیے اور ایک نازک سا پیارا پیارا ٹیبل لیمپ جیتئے۔“

اس آدمی نے عبر سے کہا۔ ”اچھا! میں نشانہ لگاتا ہوں۔ لیمپ جیسا بھی ہو گا، مجھے منظور ہے۔“

"جی ہاں، بہ شرطے کہ آپ پانچ لگاتار فائر کر کے سامنے کی کسی ایک قطار کی پانچ بطخیں گرا دیں۔"

آدمی فائر کرنے لگا۔ اُدھر نسیم اور عاقِب انور کے ساتھ ساتھ چلے جا رہے تھے۔ وہ دونوں خوش تھے، بہت ہی خوش۔ کس طرح وہ یہاں ٹب لے کر آئے اور کس طرح انہیں گھومنے پھِرنے کا موقع ملا۔ کس طرح انور کے ساتھ منٹوں میں ان کی بے تکلّفی ہو گئی، اتنی بے تکلّفی کہ اب وہ اس کے ساتھ اس کے خیمے میں جا رہے تھے۔

انور نے اپنے خیمے میں جا کر ایک صندوق کا تالا کھولا، اس میں سے چھ ٹیبل لیمپ نکالے اور پھِر صندوق میں تالا لگا دیا۔

خیمے سے باہر آ کر اس نے دو ٹیبل لیمپ عاقِب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ لو عاقِب، دو تم پکڑ لو اور دو۔۔۔۔" وہ بولتے بولتے رُک گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے تھوک نِگلتے ہوئے کہا۔ "نسیم! عاقِب! بالکل نہ ہلنا۔ یوں ہی کھڑے رہو!" اس کی آواز بہت دھیمی تھی

اور پُراسرار سی لگ رہی تھی۔

"بھئی، اب خواہ مخواہ ہمیں مت ڈراؤ۔" نسیم نے کہا۔ "چُپ رہو۔" انور نے کہا۔ "آہستہ آہستہ پیچھے مُڑ کر دیکھو اور یہاں سے ہلنا نہیں۔ راجا شیر نہ جانے کیسے کھُل کر یہاں آ گیا ہے!"

نسیم اور عاقِب نے آہستہ آہستہ پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ دو خیمے پیچھے، خالی جگہ میں ایک شیر بیٹھا ہوا تھا!

عاقِب اور نسیم کا مُنہ فق ہو گیا۔

"ہمیں آہستہ آہستہ واپس خیمے میں جانا چاہیے۔" انور نے آہستہ سے کہا۔ "راجا خطرناک شیر نہیں ہے۔ سدھا ہوا۔ پھر بھی اگر لوگوں نے اس کو باہر دیکھ لیا اور بھگدڑ مچ گئی تو راجا گھبرا جائے گا اور گھبراہٹ میں اُس سے نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

ابھی تک پنجرے سے نکلے ہوئے شیر پر کسی کی نظر نہ پڑی تھی۔ وہ اپنی

دُم ہلا رہا تھا اور خون ناک آنکھیں گھُما گھُما کر اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

"لیکن ہم تمہارے خیمے میں چلے گئے تو شیر کو مجمع کی طرف جانے کا راستہ مل جائے گا اور تم کہتے ہو کہ بھگدڑ کی صورت میں وہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" نسیم نے کہا۔

"مگر ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہے بھی تو نہیں۔ ہم اپنے خیمے میں جا کر برابر والے خیمے میں سے عادل چمپین کو بُلا سکتے ہیں۔ وہ شیر پر قابو پالے گا۔" انور نے کہا۔

نسیم کے حواس دُرست ہو گئے تھے اور اب وہ شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "تم۔۔۔ تم اور عاقِب خیمے میں چلے جاؤ اور عادل چمپین کو بُلا کر لاؤ۔ میں نے کچھ عرصہ ابّو کے ساتھ کام کیا ہے اور سدھے ہوئے جانوروں کے طور طریقوں سے واقف ہوں۔ میں اِسے رام کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

عاقِب نے خیمے کی طرف جاتے ہوئے انور کو بتایا کہ نسیم کے ابّو جلال

صاحب فلموں میں ہدایت کاری کا کام کرتے ہیں۔ بعض فلموں میں انہیں کسی جانور کو دکھانے کی ضرورت پڑ جاتی ہے، اور وہ اس کے سدھانے والے سے پوری تفصیل پوچھ لیتے ہیں۔ اس طرح خطرناک جانور اُن کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ نسیم بھی شاید شیر کو روکے رکھنے میں کام یاب ہو جائے۔

نسیم شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ ”راجا راجا“! شیر جنگلے سے باہر نکلنے کی وجہ سے کچھ گھبرایا گھبرایا سا لگ رہا تھا۔ یہ آواز سُن کر وہ اپنی جگہ سے دو قدم آگے آیا اور نسیم کو گھورنے لگا۔ ”راجا! راجا!“ نسیم نے کہا۔ ”بیٹھ جاؤ، راجا! بیٹھ جاؤ راجا! راجا!“ اُس کی آواز میں بڑی نرمی اور ملامت تھی، لیکن ساتھ ہی ذرا اُونچی ہوتی جا رہی تھی۔

شیر کھڑا رہا، جیسے اس نے نسیم کی بات کا مطلب نہ سمجھا ہو۔ وہ آنکھیں ادھر ادھر گھما رہا تھا جیسے اس بات کا فیصلہ کر رہا ہو کہ نسیم پر حملہ کرے یا نہیں!

”راجا! شاباش راجا! بیٹھ جاؤ، راجا!“ نسیم نے آواز اُونچی کرتے ہوئے کہا۔ اب اس کی آواز میں محبت سے زیادہ حکم تھا۔ راجا نے دُم ہلانا شروع کر دی۔ وہ نسیم کی طرف دو چار قدم اور بڑھا اور اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا جیسے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

نسیم پوری توجّہ سے شیر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اب اس نے ذرا اور سخت لہجے میں کہا۔ ”راجا! راجا! بیٹھ جاؤ، راجا! بیٹھ جاؤ، راجا!“

شیر نے ایک لمحے کو اِدھر اُدھر دیکھا، پھر اپنی دُم ہلائی اور زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ اب بھی نسیم کی طرف دیکھ رہا تھا، لیکن اس طرح جیسے کوئی پالتو بِلّی اپنے مالک کی طرف دیکھتی ہے۔ ”شاباش راجا! شاباش راجا!“ نسیم نے پیار سے کہا۔ اچانک نسیم نے اپنے پیچھے کئی آدمیوں کی آوازیں سنیں۔ عادل چمپین اس کے پیچھے سے آیا اور راجا کی طرف چلا گیا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں چھڑی اور دوسرے ہاتھ میں زنجیر تھی۔ وہ اطمینان سے آگے بڑھ رہا تھا۔ راجا کے پاس جا کر اُس نے پیار سے دو چار باتیں کیں اور پھر اُس کی گردن

پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ چند لمحوں بعد اس نے دوسرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی زنجیر اُس کی گردن میں پڑے ہوئے پٹّے میں ڈال دی اور اُسے اشارہ کیا۔ راجا اشارہ دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور عادل چمپین کے پیچھے پیچھے دُم ہلاتا ہوا چل دیا۔ عادل اُسے اُس کے پنجرے کی طرف لے جا رہا تھا۔ نسیم نے ایک گہرا سانس لیا۔ "ہاآآآہ ہاآآآ!"

انور اور عاقِب دوڑ کر نسیم کے پاس پہنچ گئے۔ اب عنبر بھی اُن کے ساتھ آ گیا تھا۔ وہ اسٹال پر ایک جوکر کو بٹھا آیا تھا۔

"سُراغ رساں نمبر دو!" عنبر نے اعلان کیا۔ "تم نے تو کمال ہی کر دیا۔"

"اگر تم شیر کو نہ بٹھاتے۔" عاقِب نے کہا۔ "تو نہ جانے بھگدڑ سے کتنا نقصان ہو جاتا۔"

"توبہ بھئی! میرا تو ڈر کے مارے دم ہی نکلا جا رہا تھا۔" انور نے مِسمِسی سی صورت بناتے ہوئے کہا۔

اب عادل چمپین راجا کو اُس کے پنجرے میں بند کر کے آ گیا تھا۔ اُس نے نسیم کی کمر پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ ”لڑکے تُم نے بہت عقل مندی اور بہادری سے کام لیا۔ راجا سدھا ہوا ہے، لیکن اگر یہ مجمع میں پہنچ جاتا اور بھگدڑ مچ جاتی تو نہ جانے یہ گھبرا کر کیا کر بیٹھتا۔ تم نے کمال کر دیا۔“

”مجھے معلوم تھا کہ اُس کا نام راجا ہے۔“ نسیم نے شرماتے ہوئے کہا۔ ”اور مجھے سدھے ہوئے جانوروں کے ساتھ کام کرنے کی کچھ شُد بُد ہے۔ میرے ابّو فلموں کے لیے سدھے ہوئے جانور منگواتے رہتے ہیں اور میں اُن کے ساتھ۔۔۔“

”تم نے بہت اچھا کیا بیٹے۔“ عادل نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”راجا چاہتا تھا کہ کوئی اُسے اس کے نام سے پکارے اور حکم دے۔ وہ حکم سُننا جانتا ہے۔ اور حکم ماننا سیکھ چکا ہے۔ بہر حال، میں تمہارا بہت بہت شکر گزار ہوں۔“

”جناب چمپین صاحب، یہ راجا کھُل کیسے گیا؟“ اچانک عنبر نے سوال کیا۔

”پتا نہیں۔“ چمپین نے جواب دیا۔ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اِس کا

پنجرا کھلا کیسے رہ گیا! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ صبح ہی اِسے گوشت وغیرہ دے کر میں نے پنجرے میں تالا لگایا تھا۔"

پھر اچانک اُس نے مُسکرا کر کہا۔ "ہاں بھی لڑکو، آج تم میرے مہمان ہو۔ اور تم چاہو تو میرے بالکل پاس کھڑے ہو کر شیر کے کرتب دیکھ سکتے ہو۔ ابھی تھوڑی ہی دیر میں شو شروع ہونے والا ہے۔ میں جا کر شیر کو تیّار کرتا ہوں۔"

انور واپس اپنے اسٹال پر چلا گیا اور عنبر، نسیم اور عاقِب ٹیبل لیمپ اسٹال پر پہنچانے کے بعد سرکس میں اِدھر اُدھر گھومنے لگے۔ ایک جگہ دو جوکر اپنے کام کی ریہرسل کر رہے تھے۔ اُن میں سے ایک لمبا تھا اور دوسرا چھوٹا۔ چھوٹا جوکر طرح طرح کے کرتب کر رہا تھا۔ اور ہر کرتب کے بعد زور سے چیخ مارتا تھا۔ لمبا جوکر اُس کے کرتب کی نقل اُتارنا چاہتا تھا، مگر ناکام رہتا تھا اور ہر ناکامی کے بعد منہ لٹکا لیتا تھا۔ تینوں سُراغ رساں بڑی دل چسپی سے اُن کی ریہرسل دیکھ رہے تھے۔

اچانک چھوٹے جوکر نے ایک کرتب دکھانے کے لیے لمبی سی چھلانگ ماری، مگر وہ درمیان ہی میں دھڑام سے گر گیا۔ اسے گرتا دیکھ کر لمبا جوکر قہقہے لگانے لگا۔ اُس نے اِس طرح سے بے ساختہ قہقہے لگائے کہ عنبر، نسیم اور عاقِب کو بھی ہنسی آ گئی۔

جوکروں کے کرتب دیکھنے کے بعد یہ لوگ شیر کے پنجرے کی طرف گئے۔ اس پنجرے کے دو حصّے تھے اور دونوں حصّوں کے درمیان میں جنگلا لگایا گیا تھا۔ ایک حصّہ بڑا تھا اور اس کے اندر وہ دونوں ٹب اُلٹے رکھے ہوئے تھے جو عنبر، نسیم اور عاقِب لے کر آئے تھے۔ اس کے علاوہ اس کی چھت میں ایک جھولا بھی لٹکا ہوا تھا۔ پنجرے کے بڑے حصّے میں شیر کرتب دکھایا کرتا تھا اور چھوٹے حصّے میں رہا کرتا تھا۔

اب شو شروع ہونے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ عادل چمپین شیر کے پنجرے کے بڑے حصّے میں داخل ہوا اور اندر سے جنگلے کو بند کر لیا۔ اُس کے بعد اس نے درمیان والے جنگلے کو کھولا اور شیر کو بڑے حصّے میں بُلا لیا۔ شیر

اُس کی طرف دیکھ کر اندر سے دھاڑا جیسے ابھی اس کو کھا جائے گا، مگر یہ بھی اس کے سدھائے جانے کا ایک حصّہ تھا۔ جوں ہی عادل نے اپنی چھڑی ہوا میں لہرائی، شیر خاموش ہو گیا اور بیٹھ کر دُم ہلانے لگا۔

اب پنجرے کو چار آدمی دھکیل کر سرکس کے اندر لے گئے۔ تینوں سُراغ رساں بھی پنجرے کے ساتھ ساتھ سرکس کے اندر آ گئے۔ اور پنجرے کے پاس ہی کھڑے ہو کر شیر کے کرتب دیکھنے لگے۔

عادل کے اشارے پر شیر ایک ٹب پر بیٹھ گیا۔ اس کے دوسرے اشارے پر شیر نے چھلانگ لگائی اور دوسرے ٹب پر جا بیٹھا۔ ایک اور اشارے پر اُس نے اونچی چھلانگ لگائی اور چھت میں لٹکے ہوئے جھولے ہیں لٹک گیا۔ وہ عادل چمپین کے اشاروں پر مختلف کرتب دکھا رہا تھا۔ سرکس تماشائیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور لوگ خوش ہو کر تالیاں بجا رہے تھے۔

نسیم اور عاقِب بھی بار بار تالیاں بجا رہے تھے۔ مگر عنبر کرتب نہیں دیکھ رہا

تھا۔ وہ بڑے غور سے اُس تالے کو دیکھ رہا تھا جو شیر کے پنجرے کے دروازے میں لگا ہوا تھا۔ آخر اُس نے عاقِب اور نسیم کو تالے کی طرف بُلایا اور آہستہ سے کہنے لگا۔ ”اس تالے کے ساتھ کسی نے دھینگا مشتی کی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ راجا کو کسی آدمی نے جان بوجھ کر کھولا تھا!“

گڑبڑ

”ذرا ان رگڑوں کو غور سے دیکھو تو تالا کھولنے والے کی کوشش کے دوران اس پر پڑ گئی ہیں۔“ عنبر نے نسیم اور عاقِب سے کہا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ تالے کو کسی کیل یا تار وغیرہ سے کھولنے کی کوشش کی گئی ہے،۔“ نسیم نے کہا۔ ”مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شیر کو کھولنے سے کسی کو کیا فائدہ؟“

”ہاں، ایسا کون بے وقوف ہو گا جو شیر جیسے خطرناک جانور کو کھول دے؟“

عاقِب بولا۔

”بے وقوف نہیں۔“ عنبر نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”یہ کسی پاگل آدمی کا کام لگتا ہے۔ کوئی عقل مند آدمی ایسا کیسے کر سکتا ہے۔“

”تمہارا مطلب ہے، سچ مُچ کا پاگل۔“ نسیم نے کہا۔

”انہوں۔“ عنبر نے سر کو اِنکار میں ہلایا۔ ”سچ مُچ کا پاگل نہیں، کوئی ایسا آدمی جو اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے خطرناک سے خطرناک کام کر گزرتا ہے۔ ایسے آدمی کو بھی تو ہم پاگل ہی کہیں گے۔ خطرناک پاگل!“

”ہو سکتا ہے وہ آدمی لوگوں کی بھگدڑ سے لُطف اُٹھانا چاہتا ہو۔“ عاقِب بولا۔

”یا بھگدڑ مچا کر کوئی مقصد حل کرنا چاہتا ہو۔“ نسیم نے کہا۔

”میرے ذہن میں کئی باتیں آ رہی ہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”یا تو شیر کو کھولنے والے شخص کا مقصد سرکس کو نقصان پہنچاتا تھا، یا وہ کوئی اور مقصد حاصل

کرنا چاہتا تھا، مثلاً شیر کے پاس آ کر اس پر قابو پائے اور اس طرح ہیرو بن جائے۔"

"لیکن عنبر، تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ ان میں سے کچھ بھی تو نہیں ہوا۔" نسیم بولا۔

"ہاں، لیکن اس کو مہلت ہی کب ملی کہ وہ اپنا منصوبہ پورا کر سکے۔" عنبر نے کہا۔ "اس کا منصوبہ تو تُم نے شیر کو بِٹھا کے مٹّی میں ملا دیا۔"

"ایک بات ضرور ہے، عنبر۔" عاقِب نے کہا۔ "اگر شیر کا پنجرا کھولنے سے وہ شخص سرکس میں افراتفری مچانا چاہتا تھا تو بھی یہ خطرناک کام تھا۔"

"نہیں۔" عنبر نے کہا۔ "ہم لوگ یہ بھول رہے ہیں کہ یہ کام سرکس کے ہی کسی آدمی کا ہو سکتا ہے، اور وہ شخص یہ بات یقیناً جانتا ہو گا کہ راجا خوف ناک نہیں ہے، کیوں کہ وہ ایک سدھا ہوا شیر ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ شخص عادل چمپین کے علاوہ اور کوئی بھی ہو سکتا

ہے۔"نسیم نے کہا۔

"وہ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ تم نے یہ نہیں دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے کام کی ریہرسل کر رہے تھے مگر عادل اس وقت اپنے خیمے کے پاس تھا۔"عنبر نے کہا۔

نسیم اور عاقِب خاموش ہو گئے۔ آخر نسیم بولا۔ "مگر عادل کو شیر کھولنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور پھر وہ تالے میں چابی لگا کر بھی پنجرا کھول سکتا تھا۔ اس نے کیل یا تار کیوں استعمال کیا؟"

"یہ سب میں نے کب کہا کہ یہ کام ضرور عادل کا ہی ہے؟"عنبر نے کہا۔ "میں نے تو یہ کہا تھا کہ وہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"مگر کیوں؟" عاقِب نے سوال کیا۔

"یہی تو ہمارا مسئلہ ہے۔"عنبر نے دائیں ہاتھ سے ہونٹ نوچتے ہوئے کہا۔ "ہم ابھی یہ بھی نہیں جانتے کہ یہ کام کس نے کیا اور کیوں کیا؟"

”تو۔۔۔“

”ہاں، ہم اس مسئلے کو حل کریں گے۔ ہم، تین ننھے سُراغ رساں عنبر نے کہا۔

”لیکن آخر ہمیں۔۔۔۔“ نسیم نے کچھ کہنا شروع کیا ہی تھا کہ عنبر نے آہستہ سے کہا۔ ”شی!“ اور ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر اُسے چُپ رہنے کا اشارہ کیا۔ نسیم اور عاقِب نے اُدھر دیکھا، جدھر عنبر دیکھ رہا تھا۔ عادل چمپین کے خیمے کی دیوار کے اندر ایک سایہ سا نظر آرہا تھا، جیسے کوئی کھڑا ہوا ہو اور اُن کی باتیں سُننے کی کوشش کر رہا ہو۔ عاقِب نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ انہیں وہاں سے کھِسک کر سرکس کے بڑے تنبو میں چلے جانا چاہیے تاکہ اگر عادل کے خیمے میں سچ مچ کوئی آدمی ہے تو وہ اُن کی باتیں نہ سُن سکے۔ لیکن ابھی وہ لوگ تنبو کی طرف گئے ہی تھے کہ اُسی خیمے میں سے ایک لمبا تڑنگا آدمی باہر نکلا اور اُن کی طرف آگے بڑھا۔

”تُم۔۔۔ تُم لوگ کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟“ اس آدمی نے پوچھا۔

اچانک انور بھی وہاں آ گیا۔ وہ آگے بڑھ کر بولا۔ ”عنبر، یہ میرے ابّو ہیں۔“

”اوہ!“ عنبر کے چہرے پر آئے ہوئے پریشانی کے آثار غائب ہو گئے۔ ”میں تو ڈر ہی گیا تھا۔“

”اور ابّو، یہ وہی تین لڑکے ہیں۔“ انور نے اپنے ابّو سے کہا۔

”میرا نام اکرم ہے۔“ انور کے باپ نے بتایا۔ ”میں اِس سرکس کا مالک ہوں۔ میں دراصل تم تینوں ہی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ چوں کہ تمہیں پہچانتا نہ تھا اس لیے۔۔۔۔ اچھا، چلو چھوڑو۔ میں تم لوگوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ تم راجا کو قابو میں نہ کرتے تو میرا نہ جانے کتنا نقصان ہو جاتا۔“

”شکریے کی کوئی بات نہیں، جناب۔“ نسیم نے ذرا آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ”مُجھے اس بارے میں کچھ تھوڑا سا تجربہ تھا، اور میں نے سوچا کہ اِس تجربے سے فائدہ اُٹھانے کا یہی وقت ہے۔“

”پھر بھی، تُم انعام کے مستحق ہو اور میں تمہیں ایک خوب صورت سا انعام دینا چاہتا ہوں۔“ اکرم صاحب نے کہا۔

”اِنعام؟“ اچانک نسیم چلّایا۔ ”عنبر! میری وہ دھاری دار بِلّی کہاں گئی جو میں نے انعام میں جیتی تھی؟“

”دھاری دار بِلّی؟“ اکرم صاحب حیرت سے بولے۔

”میں نے نشانہ بازی کے مقابلے میں دینے کے لیے رکھی تھی۔ کل چار بِلّیاں دے دی تھیں اور آخری بِلّی آج نسیم نے جیتی تھی۔“

”ہو سکتا ہے بِلّی شیر کے پنجرے کے پاس رہ گئی ہو۔“ عنبر نے کہا۔ ”ذرا تم یاد تو کرو کہ بِلّی کب تک تمہارے ہاتھ میں تھی؟“

”مجھے اتنا یاد ہے کہ راجا کو دیکھنے سے پہلے بِلّی میرے ہاتھ میں موجود تھی۔ بعد کا مجھے یاد نہیں۔“

”پھر ہمیں انور کے خیمے کے پاس اُسے تلاش کرنا چاہیے۔“ عاقِب نے کہا۔

یہ لوگ شیر کے پنجرے کے پاس بھی گئے اور انور کے خیمے کے پاس بھی، لیکن بِلّی لاکھ تلاش کرنے پر بھی نہ ملی۔

"کوئی بات نہیں نسیم، ہم تمھیں بِلّی سے کہیں زیادہ اچھا اور قیمتی انعام دیں گے۔ تم فکر نہ کرو" اکرم صاحب نے کہا۔

"نہیں جناب، یہ بات نہیں۔" عنبر نے کہا۔ "ہم انعام کھو جانے کی وجہ سے پریشان نہیں ہیں۔ ہم تو دھاری دار بِلّی کے گُم ہو جانے کی وجہ سے پریشان ہیں۔"

اکرم صاحب کا مُنہ حیرت سے کھُل گیا۔ "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ وہی بِلّی ایک آدمی نے آج شام انور کے اسٹال سے اُڑا لی تھی، اور وہ آدمی ہمیں لاکھ ڈھونڈنے پر بھی نہ ملا تھا۔ اب یہ بِلّی نسیم نے جیت لی تھی تو پھر پُراسرار طور پر غائب ہو گئی۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کہیں شیر کو کھُلا چھوڑنے والے نے ہماری بِلّی حاصل کرنے کے لیے تو اِتنا خطرناک کام نہیں کیا تھا؟"

اکرم صاحب کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ ”یہ سب کیا چکر ہے؟“ انہوں نے کہا۔ ”میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا“

”اکرم صاحب، بُرا نہ مانیں تو ایک بات پوچھوں؟“ عنبر نے کہا۔

”کہو۔ کیا پوچھنا چاہتے ہو؟“

”کیا آپ کے سرکس میں کچھ گڑبڑ ہے؟“

”گڑبڑ۔“ اکرم صاحب کچھ گھبرا سے گئے۔ ”نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔“

”آپ گھبرائیں نہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہم آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں سُراغ رسانی کا خاصا تجربہ ہے۔ یہ رہا ہمارا تعارفی کارڈ۔“

تین ننھے سُراغ رساں

ہم مُشکل سے مُشکل گتھیاں سلجھا سکتے ہیں

؟ ؟ ؟

سُراغ رساں نمبر ایک: عنبر

سُراغ رساں نمبر دو: نسیم

سُراغ رساں نمبر تین: عاقِب

اکرم صاحب نے کارڈ کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر جیب میں ڈال کر بولے۔ "ننّھے سُراغ رسانو، مجھے تم لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ لیکن یقین کرو، یہاں پر کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کی تم تفتیش کر سکو۔"

"لیکن آپ بھول رہے ہیں، جناب۔" عنبر نے انہیں یاد دِلاتے ہوئے کہا۔ "شیر خواہ مخواہ نہیں کھُل جایا کرتے اور کالی مونچھوں اور کالی عینک والے لوگ خواہ مخواہ دھاری دار بِلّیاں مروڑ کر نہیں پھینک جایا کرتے۔"

”اس کے علاوہ ہم نے ایک خیمے میں ایک بڑے سے آدمی کا سایہ بھی دیکھا تھا، جو چھُپ کر ہماری باتیں سُن رہا تھا۔“ نسیم نے کہا۔

”آؤ میرے ساتھ۔“ اکرم صاحب نے کہا۔ ”میرے خیمے میں آؤ۔“

خیمے میں پہنچ کر اکرم صاحب نے ننّھے سُراغ رسانوں کو آرام سے بٹھایا اور کہا۔ ”اب اطمینان سے بتاؤ۔“

”جناب، میں نے شیر کے پنجرے کے تالے کو غور سے دیکھا ہے۔ کسی آدمی نے اُسے تار یا کیل کے ذریعے کھولا اور شیر کو آزاد کر دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ آدمی۔۔۔“ یکایک وہ رُک گیا اور دوسرے خیمے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ”اکرم صاحب! دیکھیے، وہ شخص۔۔۔ یہی آدمی پہلے بھی خیمے کے اندر چھُپ کر ہماری باتیں سُن رہا تھا۔“

اکرم صاحب ایک جھٹکے سے اُٹھے، دوسرے خیمے میں گئے اور جب واپس آئے تو اُن کے ساتھ وہ شخص بھی موجود تھا۔ یہ ایک کالی داڑھی والا آدمی تھا، لمبا چوڑا اور طاقت ور۔

”یہی تھا وہ۔“نسیم نے کہا۔”جس کا سایہ ہمیں پہلے بھی نظر آیا تھا۔“

”یہ خان ہے۔“ اکرم صاحب نے کہا۔ ”ہمارا گارڈ۔ ہمارے سرکس کی حفاظت کرتا ہے۔ سارے چوکیدار اِس کے تحت کام کرتے ہیں۔“

”میں تُم لوگوں کی باتیں سُن رہا تھا۔“ خان نے انہیں بتایا۔ ”میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ تم لوگ کون ہو اور کِس ارادے سے یہاں آئے ہو۔“

”ہم تو بس ایسے ہی یہاں آئے تھے، لیکن جب شیر کھُل گیا تو۔۔۔“عنبر بولا۔

”خان! انہوں نے ہی شیر کو قابو میں کیا تھا۔“ انور نے بتایا۔

”بہت خوب!“ خان نے کہا۔ ”تم لوگ اِنعام کے قابل ہو۔“

”جناب، ہمیں کسی انعام کی ضرورت نہیں۔“ عاقِب نے کہا۔

”اب آپ ہمیں اجازت دیں۔“عنبر بولا۔

”اچھا، یہ ایک چھوٹا سا تحفہ لے لو۔“ اکرم صاحب نے جیب سے تین پاس

نکال کر اُنہیں دیے۔ "انہیں دیکھا کر تُم جب چاہو، سرکس میں آ سکتے ہو اور ہمارے آدمی سے مل سکتے ہو۔"

انور اپنے اسٹال پر چلا گیا اور سُراغ رساں سرکس کے بڑے تنبو کی طرف چلے گئے، جہاں شو ہو رہا تھا۔

"آؤ، عنبر۔" نسیم نے کہا۔ "شو دیکھتے ہیں۔"

"نہیں۔" عنبر نے کہا۔ "شو تو ہم اب کسی بھی دن دیکھ سکتے ہیں اور جتنی بار چاہیں دیکھ سکتے ہیں۔"

"تو کیا اب گھر چلیں؟" عاقِب نے کہا۔

"نہیں۔" عنبر نے کہا۔

"تو آخر کہاں جائیں گے؟"

"ہم اکرم صاحب کے خیمے کے باہر چھُپ کر اُن کی باتیں سُنیں گے۔ میں نے سُنا ہے کہ سرکس والے اپنے رازوں میں دوسروں کو شریک کرنا پسند

نہیں کرتے، اسی وجہ سے اکرم صاحب نے ہمیں سرکس دیکھنے کے لیے بھیج دیا۔ لیکن میرا خیال ہے ہمارے یہاں آتے ہی خان اور اکرم صاحب نے اس مسئلے پر گفت گو شروع کر دی ہو گی۔"

عنبر، نسیم اور عاقِب خیمے کے باہر پہنچے تو اندر سے آہستہ آہستہ باتیں کرنے کی آوازیں آئیں۔ خیمے میں ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی، اس لیے سُراغ رسانوں کو یہ ڈر نہ تھا کہ وہ اندر سے دیکھ لیے جائیں گے۔ جب تک وہ کوئی آہٹ پیدا نہ کریں، اطمینان سے خان اور اکرم صاحب کی باتیں سُن سکتے تھے وہ اور آگے بڑھے اور خیمے کی ایک دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے۔

خان ذرا غصیلی سی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "اور آج راجا پنجرے میں سے نکل بھاگا! اکرم صاحب، میں پوچھ ہوں کہ اب اور کیا ہو گا؟ میرا تو خیال ہے کہ آپ یوں ہی ٹال مٹول کرتے رہیں گے اور ہمیں پیسے نہیں دیں گے۔"

"ایسا نہیں ہے، خان" اکرم صاحب نے کہا۔ "اگلے ہفتے، آج کے دن،

آپ سب لوگوں کا ایک ایک پیسہ ادا کر دیا جائے گا۔"

"آپ جانتے ہیں کہ سرکس کے لوگ بڑے وہمی ہوتے۔" خان نے کہا۔
"سب کی زبان پر آج ایک ہی بات ہے۔ تیسرا حادثہ نہ جانے کیا ہو گا۔
سب اس سرکس کو منحوس سمجھنے لگے ہیں۔"

"ایسا نہیں ہے۔" اکرم صاحب نے زور دے کر کہا۔ "اگلے ہفتے آپ سب
کو پیسے مل جائیں گے۔ آؤ، اب ذرا شو کی طرف چلیں۔"

آخری فقرہ سُنتے ہی تینوں سُراغ رساں وہاں سے کھسک گئے۔ عنبر نے
باہر کا رُخ کیا تھا۔ نسیم اور عاقِب بھی اُس کے پیچھے پیچھے آ گئے۔ باہر آتے
ہی عنبر نے کہا۔ "عاقِب، تم کل صبح ناشتے کے بعد لائبریری جاؤ گے، ایک
ماہ پرانے اخبارات پڑھو گے اور یہ جاننے کی کوشش کرو گے کہ اکرم
صاحب کی سرکس کمپنی نے اس سے پہلے کہاں کہاں شو کیے تھے اور وہاں
کیا حادثے ہوئے تھے۔"

"اور میں۔۔۔؟" نسیم نے پوچھا۔

”تم بس یہی سوچنا کہ ہم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ سرکس میں کچھ گڑبڑ ضرور ہے!“

عجیب اشتہار

اگلی صبح جب دو سُراغ رساں اپنے ہیڈ کوارٹر میں جمع ہوئے تو نسیم نے کہا۔

”بھئی، میں تو رات بھر عجیب و غریب خواب دیکھتا رہا، لیکن میری سمجھ میں ایسی کوئی ترکیب نہیں آئی جس پر عمل کر کے ہم اکرم صاحب کی مدد کر سکیں۔“

”میں بھی رات کچھ نہ سوچ سکا۔“عنبر نے جھجکتے ہوئے کہا۔”اب ہماری امیدیں عاقِب کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اگر لائبریری سے اُسے کچھ معلومات

حاصل ہو جائیں تو ہمارا کام آگے بڑھ سکتا ہے۔"

وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے عاقِب کا انتظار کرنے لگے۔ آخر کوئی گیارہ بجے کے قریب عاقِب آ گیا۔ اُس نے آتے ہی کہا۔ "اُفّوہ! میں تو تھک کر چور ہو گیا۔ سر میں بھی درد ہو گیا۔"

"بھئی، ہم لوگ تمہارا سر اور ٹانگیں دبانے کو تیّار ہیں۔ مگر پہلے جلدی سے یہ بتاؤ کہ تمہیں اس کام میں کہاں تک کام یابی ہوئی؟" عنبر نے بے تابی سے پوچھا۔

"بتاتا ہوں، بتاتا ہوں۔" عاقِب نے ایک کرسی پر خود کو گِراتے ہوئے کہا۔ "یہ سرکس شاداب نگر آنے سے پہلے راولپنڈی میں تھا اور وہاں اس کو دو حادثے پیش آئے۔"

"کیا کیا؟" عنبر نے پوچھا۔

"آج سے تین ہفتے پہلے سرکس کے تین گھوڑے ایک صبح پُراسرار طور پر

مُردہ پائے گئے۔ ان کے مرنے کی کوئی خاص وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ شاداب نگر آنے سے چند روز قبل سرکس کے ایک حصّے میں اچانک آگ لگ گئی اور تین خیمے جل گئے۔ اس آگ کے لگنے کی وجہ بھی معلوم نہیں ہو سکی۔"

"اس آگ سے کوئی جانی نقصان تو نہیں ہوا؟"

"نہیں، آگ پر خوش قسمتی سے جلد ہی قابو پا لیا گیا اور صرف تین خیمے جلے۔ نقصان کا اندازہ چار پانچ ہزار روپے لگایا گیا۔"

"تو یہ تھے وہ دو حادثے جن کا ذکر خان کر رہا تھا۔" نسیم نے کہا۔

"دراصل میں نے ایک کتاب میں سرکس والوں کے بارے میں پڑھا تھا کہ یہ لوگ واقعی وہمی ہوتے ہیں۔ بعض باتوں میں اچھّائی یا بُرائی سمجھ لیتے ہیں مثلاً اِن لوگوں کا خیال ہے کہ مُصیبتیں ہمیشہ تین کی تعداد میں آتی ہیں۔ دو مُصیبتیں راولپنڈی میں آچکی تھیں۔ اس لیے خان پریشان تھا اور بار بار یہ کہہ رہا تھا کہ نہ جانے اب کیا ہو گا۔" عنبر نے کہا۔

"اگر ایسا ہے تو شیر کا پنجرے سے نکل بھاگنا تیسری مُصیبت شمار کیا جا سکتا ہے۔" نسیم نے کہا۔

"لیکن وہ حادثہ تو اپنا مقصد پورا کیے بغیر گزر گیا۔ اس لیے لوگ اب ایک اور حادثے کے منتظر ہوں گے۔" عنبر نے کہا۔ "اور یہ بڑی خطرناک بات ہے۔"

"کیسے ؟" عاقِب نے کہا۔

"جب لوگوں کے دِلوں میں یہ ڈر بیٹھا ہوا ہو کہ نہ جانے کیا ہونے والا ہے تو وہ گھبرا جاتے ہیں اور اس گھبراہٹ کے عالم میں کچھ نہ کچھ ہو جاتا ہے۔" عنبر نے کہا۔

"لیکن عنبر ! ہم آخر ان لوگوں کی کیا مدد کر سکتے ہیں ؟" عاقِب بولا۔ "وہ لوگ ہمیں کچھ بتانے کے لیے تیّار نہیں۔"

"ہاں، یہ بہت عجیب بات ہے کہ خان اور اکرم صاحب دونوں میں سے

کسی نے بھی ہمیں اس بارے میں کچھ بتانا مناسب نہ سمجھا۔ پھر بھی ہمیں ان لوگوں کی مدد کرنا چاہیے۔" عنبر نے کہا۔

"واہ! آخر ہمیں کیا کسی دیوانے کتّے نے کاٹا ہے جو۔۔۔۔۔" نسیم کہنے ہی لگا تھا کہ عنبر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بولا۔ "اگر کوئی بیمار آدمی یہ کہے کہ وہ بیمار نہیں ہے تو کیا اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔"

"نہیں۔" نسیم نے کہا۔

"بس، تو اکرم صاحب کا سرکس بیمار ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اُس کا علاج کریں۔"

"مگر وہ ہمیں کچھ بتاتے بھی تو۔۔۔" عاقِب نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

"آ گئی!" عنبر نے اچانک چُٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ "لو! میری سمجھ میں ایک ترکیب آ گئی ہے۔"

”کیا؟“ نسیم اور عاقِب نے بے تابی سے پوچھا۔

”اگر اکرم صاحب ہمیں کچھ بتانے کے لیے تیّار نہیں، تو ہم انور سے معلوم کر سکتے ہیں۔“

”مگر کس طرح؟“

”نزدیک آؤ، بتاتا ہوں۔“ نسیم اور عاقِب نزدیک آئے تو عنبر نے اُن کے کان میں آہستہ آہستہ کچھ کہا جسے سُن کر وہ مُسکرانے لگے، اور چند لمحوں بعد نسیم ہیڈ کوارٹر سے باہر نکل گیا۔

کوئی ایک گھنٹے بعد نسیم انور کو لے کر اپنے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں داخل ہو رہا تھا اور اس سے کہہ رہا تھا۔ ”تمہارے ابّا نے ہمیں سرکس میں گھومنے پھرنے اور شو دیکھنے کا پاس دیا ہے۔ اس خوشی میں میں تمہیں اپنا خفیہ ہیڈ کوارٹر دکھانے لے جا رہا ہوں، جہاں ہم سُراغ رسانی کا کام کرتے ہیں۔“

”اوہ!“ انور نے کہا۔ ”یہ تو بڑا اچھا ہے۔“

جب انور اور نسیم خفیہ ہیڈ کوارٹر میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ عاقِب اور عنبر اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ انہیں انور اور نسیم کے آنے کا پتہ ہی نہ چلا۔

نسیم انور کو لے کر ایک کونے میں کھڑا ہو گیا اور آہستہ سے بولا۔ ''ہمیں معلوم ہے کہ تمہارے سرکس میں کچھ گڑبڑ ہے اور ہم اپنے ہیڈ کوارٹر میں اس گڑبڑ کی تفتیش کر رہے ہیں۔''

''لیکن تم کیا تفتیش کرو گے؟'' انور نے بھی آہستہ سے پُوچھا۔ ''تمہیں تو کچھ معلوم ہی نہیں۔''

عنبر اس وقت ایک تالا ہاتھ میں لیے اُسے ایک کیل اور تار کے ایک ٹکڑے کی مدد سے کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر وہ اچانک کھڑا ہوا اور عاقِب سے کہنے لگا۔ ''عاقِب! میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ راجا کے پنجرے کا تالا کسی پیشہ ور مجرم نے کھولا ہے۔'' پھر وہ ایک لمحے کو رُکا اور تالا ہاتھ میں گھماتے ہوئے بولا۔ ''اِس قسم کے مُجرم نے جو بڑے سے بڑا جرم

کرنے سے بھی نہیں گھبراتا شیر کو باہر نکال کر وہ سرکس کے کسی شخص کو نُقصان پہنچانا چاہتا تھا۔"

"عاقِب ، اپنے سامنے میز پر پڑے ہوئے، ایک بڑے سے کاغذ کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کُرسی سے اُٹھا اور کہنے لگا۔ "اب یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ اکرم صاحب ان دو حادثوں کی وجہ سے سرکس کے لوگوں کو پیسے نہ دے سکے۔"

انور کی آنکھیں دو حادثوں کا لفظ سن کر حیرت سے کھُل گئیں۔ وہ کچھ کہنے لگا تھا کہ نسیم نے اُسے ہاتھ سے روک دیا۔

"کون سے دو حادثے؟" عنبر نے عاقِب سے سوال کیا۔ وہ ابھی تک تالے کو اپنے ہاتھوں میں گھما رہا تھا اور اس کی نظریں عاقِب پر گڑی ہوئی تھیں۔

"ایک حادثے میں تو تین گھوڑے اچانک مر گئے، اور کوئی اُن کے مرنے کی وجہ نہ جان سکا۔" عاقِب نے کاغذ پہ نظریں جمائے ہوئے کہا۔

”اور دوسرا؟“عنبر نے تالا جھُلاتے ہوئے پوچھا۔

”دوسرے حادثے میں تین خیمے جل گئے، مگر خوش قسمتی سے کوئی جانی نقصان نہ ہوا۔ صرف چار پانچ ہزار کا مالی نقصان ہوا۔“

اب انور برداشت نہ کر سکا۔ ”یہ باتیں تم لوگوں کو کِس نے بتائی ہیں؟“ اُس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

عنبر حیران ہو کر اُس کی طرف مُڑا اور بولا۔ ”انور! تم کب آئے؟“

”اسے میں لایا ہوں یہاں۔ اپنا ہیڈ کوارٹر دِکھانے۔“ نسیم نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

”یہ باتیں تُم لوگوں کو کس نے بتائی ہیں؟“ انور نے پھر پُوچھا۔

”یہ ہم نے خود تفتیش کر کے معلوم کی ہیں۔“ عنبر نے نرمی سے کہا۔ ”دراصل ہم تمہیں نقصان سے بچانا چاہتے ہیں، لیکن تم ہمیں کچھ بتاتے ہی نہیں۔“

”میں تمہیں سب کچھ بتاتا ہوں۔ میرا خیال ہے، یہ سب صرف اور صرف میری وجہ سے ہو رہا ہے۔“ انور نے کہا۔

”تمہاری وجہ سے؟“ تینوں سُراغ رساں حیرت سے انور کی طرف دیکھنے لگے۔

”ہاں، میری وجہ سے۔“ انور نے کہا۔ ”میرے نانا میرے ابّو سے نفرت کرتے ہیں، اور وہ چاہتے ہیں کہ سرکس تباہ ہو جائے تاکہ وہ۔۔۔۔۔۔“

”ٹھہرو!“ عنبر نے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر بولا۔ ”یہاں بیٹھ جاؤ اور ساری تفصیل بتاؤ۔ شاید ہم کسی نتیجے پر پہنچ سکیں۔“

”ہوا یُوں کہ میری امّی نے میرے نانا کی مرضی کے خلاف میرے ابّو سے شادی کر لی تھی۔ اس بات پر میرے نانا میرے امّی اور ابّو سے ناراض رہتے تھے۔ میری پیدائش کے چند ہی دن بعد میری امّی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ ابّو چونکہ سرکس لیے شہر شہر پھرتے تھے اور میری دیکھ بھال نہ کر سکتے تھے، اس لیے میرے نانا مجھے اپنے گھر لے گئے۔ ایک سال پہلے تک

میں اُن کے پاس ہی رہتا تھا۔ لیکن وہ بہت سخت طبیعت کے آدمی ہیں۔ انہوں نے مجھ پر بُہت زیادہ پابندیاں لگا رکھی تھیں، جن سے میں گھبرا گیا اور ایک دن جب ابّو کا سرکس اس شہر میں پہنچا تو میں ابّو کے پاس چلا گیا۔ انہوں نے مجھے بہت پیار کیا اور کہا کہ میں اُن کے پاس ہی رہوں گا۔ میرے نانا میرے ابّو کے پاس آئے اور دونوں میں کافی گرما گرمی ہوئی۔ نانا نے یہاں تک کہا کہ وہ مجھے عدالت کے ذریعے ابّو سے لے لیں گے کیونکہ سرکس کا کوئی اعتبار نہیں، آج چل رہا ہے تو کل نہیں۔"

"ایک منٹ، انور۔" عنبر اچانک بولا۔ "کیا تمہارے نانا نے واقعی اس قسم کی کوئی بات کی تھی، یا دھمکی دی تھی کہ وہ تمہیں واپس لے لیں گے؟"

"بالکل!" انور نے کہا۔ "مجھے اچھّی طرح سے یاد ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ سرکس کا کیا اعتبار، آج چل رہا ہے تو تم پیسے میں کھیل رہے ہو اور کل ٹھپ ہو گیا تو پیسے پیسے کو محتاج ہو جاؤ گے۔ یہی تھے اُن کے الفاظ۔ مجھے بہت اچھی طرح سے یاد ہیں۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر سرکس تباہ ہو جائے تو تمہارے نانا کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔" عنبر نے اپنا نچلا ہونٹ مسلتے ہوئے کہا۔

"ہاں، پھر وہ عدالت کے ذریعے شاید مجھے واپس لینے میں کام یاب ہو جائیں گے۔" انور نے کہا۔ "حال آں کہ میں اُن کے پاس رہنا پسند نہیں کرتا۔ مجھے سرکس کی زندگی بہت پسند ہے۔ دھوم دھڑکا۔۔۔ رنگ برنگ۔۔ آج یہاں، کل وہاں۔۔۔ ہر وقت، لوگ ہی لوگ۔"

"لیکن انور، ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔" عنبر نے کہا۔ "اگر یہ حرکتیں تمہارے نانا کرا رہے ہیں تو انہیں تمہاری جان کی کوئی پروا نہیں؟ دیکھو نا، اگر آگ سے تمہیں کچھ نقصان پہنچ جاتا یا شیر کھُلنے کے بعد تمہیں زخمی کر دیتا تو تمہارے نانا کو کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا۔"

"ہاں، یہ بات تو ہے۔"

"اگر تمہارے نانا سرکس کو تباہ ہی کرنا چاہتے ہیں تو وہ یقیناً ایسا خطرناک طریقہ اختیار نہیں کریں گے جس سے تمہاری جان خطرے میں پڑ

جائے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو، عنبر۔" نسیم بولا۔ "آگ اور شہر کے حادثے دونوں اِس قسم کے تھے جن میں انور کو بھی نقصان پہنچ سکتا تھا۔"

"بہر حال، یہ ساری باتیں ہماری معلومات میں اضافہ ہی کریں گی۔" عاقِب بولا۔

"اور ان حادثوں کے باعث سارے سرکس والے پریشان بھی تو ہیں۔ وہ لوگ سوچتے ہیں کہ نہ جانے کب کوئی اور حادثہ ہو جائے۔ یوں بھی سرکس کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک مصیبت کے بعد دو مصیبتیں اور آتی ہیں۔"

عنبر نے نسیم اور عاقِب کی طرف فخر سے دیکھا اور کہا۔ "میں بھی یہی بات کہہ رہا تھا نا؟"

"ہاں۔"

”اور یہی بات خطرناک ہے۔ لوگ جب حادثے کی توقّع کرنے لگیں تو خود ہی حادثہ کر بیٹھتے ہیں۔“ عنبر نے کہا۔

”ہمیں اگلے ہونے والے حادثے کو روکنے کی پوری کوشش کرنا ہو گی۔“ انور بولا۔

”لیکن انور، تین حادثے تو ہو چکے ہیں۔ پہلے تین گھوڑے مرے، پھر تین خیمے جلے اور اب شیر پنجرے سے باہر نکل آیا؟“

”نہیں۔ سرکس کے لوگ شام والے واقعے کو حادثہ شمار نہیں کر رہے۔ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ شیر کے باہر نکلنے سے کسی کا کوئی نقصان نہیں ہوا، اس لیے تیسرا حادثہ ابھی ہونے والا ہے۔“ انور نے کہا۔ ”اور یہی سوچ کر وہ لوگ گھبرائے ہوئے ہیں۔“

”یوں بھی اگر تمہارے نانا ان حادثوں کے پیچھے ہیں یا کوئی اور آدمی یہ حادثے کرا رہا ہے، تو ابھی اور حادثہ ہو گا۔“ عنبر بولا۔

”میں چاہتا ہوں کہ اب کوئی حادثہ نہ ہو۔“ انور نے کہا۔

”ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔“ عنبر بولا۔ ”لیکن تمہارے ابّو اس سلسلے میں ہماری کوئی مدد کرنے کو تیّار نہیں۔“

”میں تو ہر طرح سے مدد کرنے کو حاضر ہوں۔“ انور نے کہا۔ ”بس تم لوگ کسی نہ کسی طرح میرے ابّو کے سرکس کو حادثوں سے بچالو۔“

”ہمیں سرکس جانا چاہیے۔“ عنبر نے اچانک اُٹھتے ہوئے کہا۔ ”ممکن ہے وہاں کوئی سُراغ مل جائے۔“

اسی لمحے ٹیلے فون کی گھنٹی بجی۔ عنبر نے رسیور اُٹھایا۔ رسیور کے ساتھ لگے ہوئے چھوٹے اسپیکروں کی مدد سے باقی بچّے بھی ٹیلے فون پر ہونے والی گفت گو سُن سکتے تھے۔

”ہیلو! تین ننّھے سُراغ رساں۔“ عنبر نے کہا۔

”ارے! یہ عاقِب بھی تمہارے ہی پاس ہے کیا؟“ ایک زنانہ آواز آئی۔

”سلام خالہ جان۔“ عنبر نے کہا۔ فون پر عاقِب کی امّی تھیں۔ عنبر نے فون عاقِب کو دے دیا۔ عاقِب کو آج اپنے دانتوں کے ڈاکٹر کے پاس جانا تھا، اور امّی نے اُسے یہ بات یاد دلانے کے لیے ہی ٹیلے فون کیا تھا۔ ٹیلے فون رکھتے ہی عاقِب اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ ”یار عنبر! میں تو بھُول ہی گیا تھا۔ دو دنوں سے رات کا کھانا کھانے کے بعد میری نِچلی دائیں ڈاڑھ میں درد ہونے لگتا ہے۔ امّی نے رات ڈاکٹر سے فون پر وقت لے لیا تھا۔ اب مجھے وہاں جانا ہے۔ میں سرکس نہ جاسکوں گا۔“

”کوئی بات نہیں۔“ عنبر نے وہ آلہ اُٹھاتے ہوئے کہا جو وہ کل بنا رہا تھا۔ ”یہ آج صبح میں نے تیّار کیا ہے۔ اس طرح کے دو آلے بنائے ہیں میں نے۔ ایک تُم لے جاؤ۔“

”لے تو جاؤں مگر اتنا تو بتا دو کہ یہ ہے کیا؟“ عاقِب نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔ ”اس آلے کا نام تُم جو بھی چاہے رکھ سکتے ہو، لیکن اس کا کام میں تمھیں سمجھائے دیتا ہوں، یہ آلہ دُوسرے آلے کی سمت بتائے گا اور

جب تم اِس آئے کو لے کر دوسرے آلے کے نزدیک جاؤ گے تو اس میں سے بِیپ بِیپ کی آواز آئے گی۔ جتنا نزدیک جاؤ گے اُتنی ہی اُونچی آواز ہو گی۔ یہ دُوسرا آلہ میں اور نسیم اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اس طرح ہم ایک دوسرے کو ڈھونڈ سکتے ہیں۔" عاقِب نے آلے کو غور سے دیکھا۔ اس پر ایک چھوٹا سا ڈائل لگا ہوا تھا اور اس پر ایک سوئی لگی ہوئی تھی۔ ساتھ ہی ایک مُنّا سا بلب بھی تھا۔

"سوئی تو مجھے تم لوگوں کی سمت بتائے گی۔" عاقِب نے کہا۔ "مگر یہ بلب۔۔۔۔"

"اگر ہم میں سے کسی کو کچھ خطرہ محسوس ہو تو وہ اس بلب کے پاس لگے ہوئے بٹن کو دبا دے۔ دوسرے آلے میں فوراً بلب جل جائے گا جس سے پتا چل جائے گا کہ ساتھی کو خطرہ درپیش ہے۔"

"عنبر!" انور حیرت سے چلّایا۔ "تم تو بہت عظیم آدمی ہوں۔"

"عظیم وظیم تو نہیں۔" عنبر نے شرماتے ہوئے کہا۔ "البتّہ میں اپنی سُراغ

رسائی کو وقت کے ساتھ ساتھ آگے بڑھانا چاہتا ہوں۔ اگر آدمی بیسویں صدی میں رہتا ہے تو اسے بیسویں صدی کے مطابق کام کرنا چاہیے۔ بس، میں یہی کرتا ہوں۔" یکایک وہ عاقِب کی طرف مُڑا اور بولا۔ "اب تُم ڈاکٹر کے پاس جا سکتے ہو۔ ہم سرکس جا رہے ہیں۔"

"میں بھی ڈاکٹر کے ہاں سے فارغ ہو کر سرکس پہنچ جاؤں گا۔ میرا خیال ہے، اس کام میں زیادہ سے زیادہ آدھا گھنٹا لگے گا۔" عاقِب خُدا حافظ کہتا ہوا ہیڈ کوارٹر سے نکلا اور سیدھا اپنے دانتوں کے ڈاکٹر کے کلینک کی طرف چلا گیا۔ جب وہ کلینک پہنچا تو ایک مریض اندر گیا ہوا تھا اور کئی مریض اپنی باری کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ وہ ڈاکٹر سے پہلے وقت لے چکا تھا، اس لیے مریض کے باہر آتے ہی اندر جا سکتا تھا، مگر ہوا یوں کہ اچانک ایک ایسا مریض آ گیا جس کے دانتوں میں شدید تکلیف تھی، اور اسے اندر پہنچا دیا گیا۔

عاقِب انتظار کرتا رہا، کرتا رہا۔ پھر بُور ہو کر اخبار پڑھنے لگا۔ اس نے ایک

اخبار کی سُرخیاں دیکھیں۔ پھر دوسرے کی۔ اچانک ایک اشتہار پر اُس کی نظریں جم گئیں۔ اخبار کے پچھلے صفحے کے نِچلے کونے میں ایک عجیب و غریب قسم کا اشتہار چھپا ہوا تھا۔ یہ اشتہار کچھ اس طرح سے تھا:

”ضرورت ہے بُھس بھری بِلّیوں کی۔

ہمیں اپنے بچّوں کے لیے چند بُھس بھری بِلّیاں درکار ہیں۔ اُن کی کھال کالی اور بھوری دھاریوں والی ہوئی چاہیے اور آنکھوں کی جگہ نگ لگے ہوئے ہوں۔ اس قسم کی ہر بِلّی کے لیے ۱۵۰ روپے پیش کیے جائیں گے۔

فون نمبر ۳۲۳۲ شاداب نگر۔“

عاقِب اشتہار پڑھ کر ایک جھٹکے سے اُٹھا اور سائیکل لے کر سرکس کی طرف تیز تیز چلنے لگا۔

بِلّیوں کا خریدار

عنبر، نسیم اور انور ہیڈ کوارٹر سے نکل کر سیدھے سرکس گئے۔ وہاں انور تو اپنے اسٹال پر چلا گیا اور نسیم اور عنبر اِدھر اُدھر گھومنے پھِرنے لگے۔ ان کے پاس سرکس کے مالک اکرم کا پاس تھا، اس لیے کوئی آدمی انہیں وہاں گھومنے پھرنے سے منع نہیں کر سکتا تھا۔

سرکس کے لوگ ریہرسل میں مصروف تھے۔ ایک طرف ایک شخص منہ سے شعلے نکال رہا تھا۔ خان اپنے خیمے کے باہر کھڑا ورزش کر رہا تھا۔

عادل چمپین شیر کے پنجرے کے ایک حصّے میں کھڑا شیر کو ایک نیا کرتب سکھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک جگہ دو آدمی دو بانسوں کے درمیان بندھے ہوئے باریک سے تار پر چل رہے تھے اور ساتھ ہی مختلف کرتب بھی دکھا رہے تھے۔

''ہم کب تک یہاں گھومتے رہیں گے ؟'' نسیم نے اُکتا کر کہا۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر وہ کچھ نہ کہے گا تو عنبر شام ڈھلے تک یوں ہی گھومتا رہے گا۔

''کوئی خاص وقت مقرّر نہیں۔'' عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں یہی دیکھنا چاہتا تھا کہ کوئی شخص مشکوک تو نہیں ہے۔''

''مجھے تو یہاں کوئی آدمی مشکوک نظر نہیں آیا۔'' نسیم نے کہا۔

''مجھے بھی ابھی تک کوئی ایسا شخص نہیں دکھائی دیا۔'' عنبر بولا۔ اب وہ دو جوکروں کے پاس سے گُزر رہے تھے۔ وہی کل والے دو جوکر۔ ایک لمبا، ایک ٹھگنا۔ البتّہ آج وہ ایک نیا کرتب کر رہے تھے۔ لمبا جوکر جھاڑو دے کر کوڑا کرکٹ جمع کرتا اور اسے بڑی احتیاط سے ایک ڈبّے میں ڈال دیتا،

لیکن ڈبّے کا پیندا اٹوٹا ہوا تھا۔ تمام کوڑا نیچے زمین پر گر پڑتا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ بہت بُرا سا منہ بناتا اور پھر جھاڑو دینے لگتا۔ لیکن دوسرا جو کر کوڑا گرتے ہی ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو جاتا۔

نسیم اور عنبر چلتے چلتے انور کے نشانہ بازی والے اسٹال پر آ پہنچے تھے کہ اچانک سامنے سے عاقِب آتا دکھائی دیا۔ وہ تیز تیز سائیکل چلاتا آ رہا تھا، اس لیے اس کا منہ تمتمایا ہوا تھا۔

"مم، میں تم لوگوں کے لیے ایک خبر لایا ہوں!" اُس نے سائیکل سے اُترتے ہی کہا۔

"کیسی خبر؟" عنبر بولا۔ نسیم اور انور بھی اُس کے نزدیک آ کھڑے ہوئے، تاکہ اُس کی لائی ہوئی خبر سُن سکیں۔ عاقِب نے اپنا سانس درست کرتے ہوئے، رُک رُک کر، بِلّیوں کے اشتہار کا سارا قصّہ کہہ سنایا۔

"گویا اس شخص کو ایسی بِلّیاں چاہیں جیسی کل میں نے جیتی تھی اور پھر گم کر دی تھی؟" نسیم نے حیرت سے کہا۔

”تم نے گُم کر نہیں دی تھی بلکہ تم سے گُم کرا دی گئی تھی۔“عنبر نے اُس کی بات صحیح کرتے ہوئے کہا۔”اب میں سمجھ گیا ہوں کہ شیر کیوں کھولا گیا تھا۔“

”کیوں؟“انور نے حیرت سے پوچھا۔

”نسیم کی بِلّی حاصل کرنے کے لیے۔“عنبر نے بتایا۔”اب میری سمجھ میں کچھ آتا جارہا ہے۔“

”کیا؟“نسیم نے جلدی سے پوچھا۔

”جب کالی مونچھوں اور کالی عینک والے آدمی کو بِلّی چُرا کر نکل بھاگنے میں ناکامی ہوئی اور اُسے جنگلے کے پاس بِلّی کو چھوڑ کر فرار ہونا پڑا، تو وہ آدمی انور کے اسٹال پر واپس آگیا اور جب اُس نے دیکھا کہ نسیم نے وہی بِلّی جیت لی ہے تو اس نے راجا کا پنجرا کھول دیا تا کہ نسیم اور ہم سب گھبرا جائیں اور اسے بِلّی مل جائے، اور وہ اُسے مل گئی۔“

”اگر اُس کی ضرورت پوری ہو گئی تو پھر اسے اشتہار دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟“ عاقِب نے کہا۔

”اس کی بھی ایک وجہ ہے۔“ عنبر نے کہا، ”انور نے کل شام ہمیں بتایا تھا کہ چار بِلّیاں وہ انعام کے طور پر دے چکا تھا اور صرف پانچویں بِلّی باقی تھی جو کل نسیم نے جیتی۔“

”ہاں۔“ انور نے لُقمہ دیا۔

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس آدمی کو بھی بِلّیاں چاہیں اُسے یا تو سب چاہیں، یا پھر نسیم والی بِلّی اُس کے مطلب کی نہ ہو گی اور اُسے دوسری چار بِلّیوں میں سے کسی ایک کی تلاش ہے۔“

”لیکن عنبر، یہ بِلّیاں تو میں نے راولپنڈی سے بیس بیس روپے میں خریدی تھیں، اور اشتہار میں لکھا ہے کہ بِلّی کی قیمت ایک سو پچاس روپے دی جائے گی!“ انور نے کہا۔

”اسی بات سے تو پتا چلتا ہے کہ یہ بِلّیاں اُس کے لیے بہت قیمتی ہیں۔“عنبر نے اپنا نِچلا ہونٹ مسلے ہوئے کہا۔”بلکہ ایک بات اور بھی میری سمجھ میں آتی ہے۔“

”کیا؟“

”یہ کام سرکس میں کام کرنے والے کسی آدمی کا ہو سکتا ہے۔“

”مگر عنبر، میں سرکس میں کام کرنے والے ایک ایک آدمی کو جانتا ہوں۔ اُن میں سے کوئی اِس حُلیے کا نہیں جس حُلیے والے آدمی نے شام میری بِلّی چُرالی تھی اور بھاگ کھڑا ہوا تھا۔“

”حُلیہ اتنا اہم نہیں، انور۔“عنبر نے کہا۔”یہ حُلیہ تو نقلی بھی ہو سکتا ہے۔ سرکس میں کام کرنے والا کوئی بھی آدمی کالی مونچھیں اور کالی عینک لگا سکتا ہے۔ اور یاد رکھ! جو شخص بھیس بدلتا ہے، وہ کالا چشمہ ضرور لگاتا ہے کیونکہ آنکھوں سے انسان پہچانا جاتا ہے۔“

"اگر وہ شخص سرکس کا ہی ہے تو ہم اُسے پکڑ کر ہی دم لیں گے!" انور نے کہا۔

"پکڑنا تو پڑے گا ہی، ورنہ جو شخص شیر کو کھول سکتا ہے، وہ اپنا مطلب نکالنے کے لیے کچھ اور بھی کر سکتا ہے!" عنبر نے کہا۔ "بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ راولپنڈی میں تمہارے سرکس میں جو آگ لگی تھی، وہ بھی اُسی شخص کی کارستانی ہو گی۔"

"ممکن ہے۔" نسیم نے کہا۔ "لیکن اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"میرے ذہن میں دو کام ہیں۔"

"کیا؟" عاقِب نے پوچھا۔

"ہم میں سے ایک سُراغ رساں سرکس سے باہر جانے والے لوگوں پر نظر رکھے، اور جو جو شخص باہر جائے، اُس کی عادات، حلیہ، طور طریقہ وغیرہ دیکھا جائے۔ اور باقی دو واپس ہیڈ کوارٹر جائیں؟"

”کیوں؟“نسیم بولا۔

”ہیڈ کوارٹر سے ہم فون کریں گے، اُس نمبر پر۔ تب ہی ہم اُس آدمی سے مل سکتے ہیں۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ اس سے ملنا انتہائی ضروری ہے۔“

”لیکن کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ٹیلے فون کسی اور آدمی کا ہو۔“

”ہو تو سکتا ہے، مگر ایک بات واضح ہے۔ٹیلے فون جس آدمی کا ہو گا، کم از کم وہ بھی اُس اصلی آدمی کے ساتھ اِس پُراسرار سے کام میں شریک ہو گا جس کا ہم ابھی تک پتا نہیں چلا سکے کہ کیا ہے۔“

”لیکن ہم اس سے ملیں گے کس بہانے سے؟“نسیم نے کہا۔

”یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔“عنبر نے کہا۔”اور نسیم! سرکس سے باہر جانے والے آدمیوں پر نظر رکھو۔۔ میں اور عاقِب اس آدمی سے ملنے کا بندوبست کرتے ہیں جس نے اخبار میں بِلّیوں کے لیے اشتہار دیا ہے۔“

”اگر تم بُرا نہ مانو تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں؟“ انور نے کہا۔”ابھی

میرے پاس خاصا وقت ہے۔‘‘

’’تُم آسکتے ہو۔‘‘عنبر نے کہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد یہ لوگ خفیہ ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے۔ عنبر، عاقِب اور انور کو بٹھا کر باہر آیا اور کریم انٹر پرائز کے اسٹور روم میں کچھ تلاش کرنے لگا۔ اُس کے خالُو کریم کا کہنا تھا کہ وہ ہر چیز بیچتے ہیں۔

دس پندرہ منٹ تک وہ چیزوں کو اُلٹ پلٹ کرتا رہا۔ آخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ یہ ایک بھُس بھری بِلّی تھی، مگر کئی جگہ سے اُس کی کھال اُدھڑی ہوئی تھی۔ عنبر اسے لے کر ہیڈ کوارٹر گیا اور پندرہ بیس منٹ تک اُس پر خاموشی سے محنت کرتا رہا۔ اب اُس بِلّی کی شکل کچھ کچھ انور کی بِلّیوں جیسی ہو گئی تھی۔ تب اُس نے عاقِب سے کہا۔

’’اب تم نمبر ۳۲۳۲ پر ٹیلے فون کرو کہ ہم آپ کے ہاتھ ایک بِلّی بیچنا چاہتے ہیں۔ ہم کہاں آئیں؟‘‘

عاقِب نے فون کیا۔ یہ کسی دفتر کا فون نمبر تھا۔ ایک آدمی نے اُنہیں بتایا کہ وہ ۷۴ نیا بازار پہنچ جائیں اور اپنی بِلّی دِکھا دیں۔

تھوڑی دیر بعد یہ لوگ ۷۴ نیا بازار پہنچ گئے۔ اس مکان میں تالا لگا ہوا تھا اور اس وقت یہ سارا علاقہ سُنسان سا نظر آ رہا تھا۔ عنبر نے کہا۔ ”سب سے پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ آدمی کون ہے۔ انور، تُم یہاں کسی درخت کے پیچھے چھُپ کر بیٹھ جاؤ اور جب وہ آدمی آئے تو اُسے غور سے دیکھنا۔ میرا خیال ہے کہ وہ شخص یقیناً سرکس ہی کا ہو گا۔“

مکان کے سامنے بہت سے بچّے کھڑے تھے اور ان کے ہاتھوں میں طرح طرح کی بھُس بھری بِلّیاں تھیں۔ لڑکے اپنی اپنی بِلّیاں اِسی خیال سے لائے تھے کہ اشتہار دینے والا آدمی اِن بِلّیوں کو ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپے میں خرید لے گا۔

”میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوں، اور تم پر بِلّی اندر لے جانا۔“ عنبر نے عاقِب کو بِلّی دے دی۔ اُس شخص کو دھیان سے دیکھنا، اور بِلّیوں کے بارے میں کچھ

بھی پتا چل سکے تو ضرور جاننے کی کوشش کرنا۔"

اتنے میں ایک ٹیکسی آکر رُکی اور ایک آدمی اُس میں سے اُتر کر تیز تیز چلتا ہوا ۴/۷ نیا بازار کی طرف چلا گیا۔ یہ آدمی کل والے شخص سے مختلف تھا البتّہ اُس نے بھی آنکھوں پر چشمہ لگا رکھا تھا تاکہ اسے کوئی پہچان نہ لے۔

اس آدمی کے جانے کے بعد عنبر نے اِشارہ کیا تو عاقِب وہاں سے چلا گیا۔ آنے والے آدمی نے بچّوں کی بھیڑ پر ایک نظر ڈالی اور پھر جیب سے چابی نکال کر تالا کھولتے ہوئے کہا۔ "تم سب اندر آجاؤ۔ میں دیکھتا ہوں کہ کِس کِس کی بِلّی مجھے چاہیے۔"

مکان کے اندر جاکر عاقِب نے دیکھا کہ اس کمرے میں، جہاں وہ شخص جا کر بیٹھ گیا تھا، بس ایک میز ہے اور کچھ کرسیاں پڑی ہیں۔ بعض بچّے کرسیوں پر بیٹھ گئے اور جنہیں جگہ نہ ملی وہ کھڑے رہے۔ عاقِب پُوری توجّہ سے اس شخص کی حرکات دیکھ رہا تھا۔ وہ شخص ایک ایک بِلّی لے کر دیکھتا اور منہ بنا کر کہتا۔

”نہیں بھئی، یہ بِلّیاں تو بالکل نہیں چلیں گی۔ تم نے شاید غور سے نہیں پڑھا۔ ہمیں دراصل ایک خاص رنگ اور خاص ڈیزائن کی بِلّیاں چاہیں۔“

پھر اچانک اُس نے ذرا پیچھے کھڑے ہوئے ایک لڑکے کی طرف اشارہ کیا اور اسے نزدیک بُلا کر اُس کی بِلّی لے لی۔ عاقِب نے دیکھا کہ یہ بِلّی اس بِلّی جیسی تھی جو نسیم نے شام نشانہ بازی میں جیتی تھی۔ اور ہاں، جب اُس آدمی نے ہاتھ بڑھا کر لڑکے کو اشارہ کیا تھا تو عاقِب نے دیکھا تھا کہ اُس کے دائیں ہاتھ پر نیلے رنگ کا ایک سمندری جہاز کھُدا ہوا ہے!

”یہ تو بڑا اچھا ہوا۔“ عاقِب نے دل ہی دل میں سوچا۔ ”اِس نشان کو انور یقیناً جانتا ہوگا۔“

”تمہاری بِلّی ٹھیک ہے، بیٹے۔“ اس شخص نے بِلّی لیتے ہوئے کہا۔ ”یہ لو اپنی رقم۔“ اس نے جیب سے دس دس کے پندرہ نوٹ نکال کر لڑکے کو دے دیے۔

مگر عاقِب اپنے خیالوں میں مگن تھا۔ اچانک اُسے آدمی نے یہ کہہ کر چونکا

دیا۔ ”اے ے ے! تم بھی اپنی بِلّی اِدھر لاؤ۔“

عاقِب نے جھٹ سے بِلّی آگے کر دی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ آدمی اُس کی بِلّی نہیں خریدے گا کیونکہ اُسے اصلی نقلی کی پہچان ہو گی۔ مگر اُس آدمی نے اسے پیسے دے دیے اور کہا۔ ”یہ بھی چلے گی۔“

عاقِب کے پیچھے کھڑے ہوئے ایک چھوٹے سے لڑکے نے پوچھا۔ ”جناب، آپ ان بِلّیوں کا کریں گے کیا؟“ یہ سُن کر عاقِب کا دِل دھک دھک کرنے لگا۔

”بھئی، ہمارے پانچ بھتیجے بھتیجیاں ہیں جو جرمنی میں رہتے ہیں۔ انہوں نے فرمائش کی ہے کہ ہم پانچ پاکستانی بُھس بھری بِلّیاں انہیں بھیجیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ پانچوں بِلّیاں ایک جیسی ہوں تاکہ ایک بچّہ دوسرے بچّے کی بِلّی کو بُرا نہ کہے۔“

اب بچّوں کا ہجوم کم ہوتا جا رہا تھا۔ عاقِب نے زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور ایک نظر اُن بِلّیوں پر ڈال کر، جو اس آدمی نے خریدی تھیں، باہر چلا

گیا۔

عنبر اور انور باہر ایک باڑ کے پاس اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے جلدی سے پوچھا"کیا ہوا؟"

"میں تو حیران رہ گیا۔" عاقِب نے کہا۔ "اُس شخص نے ہماری بِلّی بھی خرید لی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ آدمی ضرورت سے زیادہ چالاک ہے۔" عنبر نے کہا۔

"اور ہاں، اُس نے تین بِلّیاں انور کے اسٹال والی حاصل کر لی ہیں۔ اِس طرح اس نے کل پانچ بِلّیاں خریدی ہیں اور ابھی چند بچے باقی ہیں۔"

"تو ابھی تمہیں وہاں رہنا چاہیے تھا۔ اچھّا، آؤ ہم چل کر مکان کے پاس کسی محفوظ جگہ چھُپ کر اندر دیکھتے ہیں۔"

تینوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے مکان کے قریب پہنچے اور کھڑکی کے قریب

کھڑے ہو کر اندر جھانکنے لگے۔ اندر ابھی چند لڑکے کھڑے تھے مگر کسی کے ہاتھ میں اُس قسم کی بِلّی نہ تھی جیسی اس شخص کو چاہیے تھی۔ وہ آدمی ایک ایک بچّے کی بِلّی لیتا اور یہ کہہ کر واپس کر دیتا کہ یہ بِلّی اُس کے کام کی نہیں۔

"جناب، میرے ایک دوست نے پرسوں شام سرکس کے اسٹال پر نشانہ بازی میں ایک بِلّی جیتی تھی، مگر وہ آیا ہی نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ بھی آپ لے لیتے۔ وہ اِن بِلّیوں جیسی ہے جو آپ خرید رہے ہیں۔"

"تمہارا دوست کہاں رہتا ہے؟" اس شخص نے کہا۔

"میرا دوست، بلّو موٹا، ۳۲ فردوس پارک میں رہتا ہے۔"

"اوہو۔" اُس آدمی نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "اب میں کیا ایک ایک آدمی کے گھر جاؤں گا۔"

"میں شرط لگا سکتا ہوں کہ یہ آدمی سیدھا وہیں جائے گا۔" عنبر نے انور اور

عاقِب سے کہا۔ ”انور، کیا تُم اس شخص کی آواز پہچانتے ہو؟“

”اُوں ہنک۔“ انور نے کہا۔ ”ایسی آواز کسی سرکس والے کی نہیں ہو سکتی۔“

”اور ہاں انور، اس کے دائیں بازو پر ایک سمندری جہاز کھُدا ہوا ہے۔“ عاقِب نے کہا۔

”میں نے سرکس میں ایسا بھی کوئی آدمی نہیں دیکھا۔“ انور نے مایوسی سے سر ہلایا۔ ”یہ آدمی یقیناً سرکس سے تعلّق نہیں رکھتا۔“

اب اندر سے سارے بچّے ایک ایک کر کے باہر نکل چکے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ آدمی اُٹھا اور مکان کے دروازے کی طرف چلا گیا۔

”میرا خیال ہے وہ دروازہ بند کرنے گیا ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”اُس کا خیال ٹھیک ہی تھا۔ چند لمحوں بعد وہ آدمی دروازہ بند کر کے واپس آ گیا۔

اُس نے انور کے اسٹال کی تین بِلّیاں تو میز کے اوپر رکھ لیں اور عاقِب اور

ایک اور بچّے سے لی ہوئی بِلّیاں نیچے فرش پر ڈال دیں۔

"یہ شخص بہت مکّار ہے۔" انور نے کہا۔ "میز پر پڑی ہوئی تینوں بِلّیاں میرے اسٹال سے گئی ہیں۔ لیکن اُس نے شبہے سے بچنے کے لیے دو فالتو بِلّیاں بھی خرید لی ہیں۔"

"شی!" عنبر نے مُنہ پر اُنگلی رکھ کر انور کو چُپ رہنے کا اشارہ کیا۔ اچانک اُس آدمی نے اپنی جیب سے ایک چمک دار چاقو نکالا اور اُسے کھول کر آگے بڑھا۔

اس کی آنکھیں چمک رہی ہوں گی، لیکن اُس نے آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا رکھا تھا۔ اس لیے عنبر انور اور عاقِب کو پتا نہ چل سکا۔

نیا بازار کے قیدی

اُس آدمی نے ایک ایک کر کے تینوں بِلّیوں کے ٹانکے کاٹ دیے اور اُن کے پیٹ میں بھری ہوئی روئی اور بھُس وغیرہ نکال نکال کر دیکھنے لگا۔ لیکن اُسے کسی بِلّی میں سے بھی کچھ نہ ملا۔ اُس نے چاقو بند کر کے جیب میں رکھ لیا اور کُرسی پر بیٹھ کر دونوں ہاتھ ملنے لگا، جیسے افسوس کر رہا ہو۔

اچانک وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اُٹھ کر دروازے کی جانب بڑھا۔ ٹیکسی ابھی باہر ہی کھڑی تھی۔ وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر کہیں چلا گیا۔

”اب کیا ہو گا؟“ عاقِب نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے وہ شخص بِلّو موٹے کے گھر گیا ہے، آخری بِلّی لینے۔“ عنبر نے اپنا نچلا ہونٹ مسلتے ہوئے کہا۔

”تب تو ہمیں بھی اُس کا پیچھا کرنا چاہیے۔“ انور نے بڑے جوش سے کہا۔

”خوب! ہم تو سائیکلوں پر یہاں آئے تھے اور وہ شخص ٹیکسی میں گیا ہے۔ کار اور سائیکل کا مقابلہ۔“ عاقِب نے کہا۔

”ٹھہرو! وہ دیکھو، وہ کیا ہے!“ عنبر نے ٹیلے فون کے تار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”کیا؟“ عاقِب نے تار تو دیکھا مگر اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ عنبر کیا کہنا چاہتا ہے۔

”ٹیلے فون۔ اس مکان کے اندر ٹیلے فون لگا ہوا ہے۔ ہم ابھی کنگ موٹر کمپنی کو ٹیلے فون کر کے اللہ داد کے ہاتھ مرسیڈیز گاڑی منگوا لیتے ہیں۔“

”لیکن مکان تو بند ہے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”وہ شخص مکان میں تالا لگا گیا ہے۔“

”تو کیا ہوا۔“ عنبر نے کہا۔ ”یہ کھڑکی تو کھُلی ہے۔ وہ شخص اِتنی جلدی میں تھا کہ کھڑکی بند کرنا ہی بھول گیا تھا۔

ایک ایک کر کے تینوں لڑکے اندر چلے گئے۔ سامنے میز پر تین بِلّیوں کا کاٹھ کباڑ پڑا تھا، اور میز کے نیچے فرش پر دو بِلّیاں صحیح سالم موجود تھیں۔ ان میں سے ایک بِلّی وہ بھی جو عاقِب دے گیا تھا۔

اس کمرے میں ٹیلی فون نہ تھا۔ وہ دوسرے کمرے میں گئے لیکن ٹیلی فون وہاں بھی نہ تھا۔ اس سے اگلا کمرا بند تھا اور اُس کے دروازے کا تالا لڑکوں کا مُنہ چڑا رہا تھا۔

”ہو سکتا ہے ٹیلی فون اس کمرے میں ہو۔“ عاقِب نے کہا۔ ”اب کیا ہو گا؟“

"ہمیں ٹیلی فون کرنے کے لیے کسی دُکان پر جانا چاہیے تھا۔" عنبر نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔ "نہ جانے بعض دفعہ میرے دماغ کو۔۔۔۔" اُس کا فقرہ درمیان ہی میں رہ گیا کیونکہ اسی لمحے مکان کا دروازہ کھُلنے کی آواز آئی۔

"جلدی کرو؟" عاقِب نے کہا۔ "واپس بھاگو!"

"چلو۔ اُونہوں۔ ہم کھڑکی تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ یہیں کواڑ کے پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب وہ شخص چلا جائے گا تو باہر نکل جائیں گے۔" عنبر نے آہستہ سے کہا۔

یہ وہی آدمی تھا۔ اس نے اندر آکر اس کمرے کے دروازے میں تالا لگا دیا جس میں تینوں لڑکے موجود تھے۔ پھر وہ بولا۔ "تم اپنے آپ کو بہت چالاک سمجھتے ہو۔ یہ نہیں جانتے کہ تم سے بھی زیادہ چالاک لوگ اس دنیا میں موجود ہیں!" یہ کہہ کر اُس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

انور نے گھبرا کر عاقِب اور عنبر کی طرف دیکھا۔ "اب کیا ہو گا؟ ہم تو یہاں

پھنس گئے۔"

"گھبراؤ نہیں۔" عاقِب نے اُسے تسلّی دی۔ "ہم اس سے کہیں زیادہ بُرے لوگوں کے پھندے میں پھنس چکے ہیں۔ عنبر کوئی نہ کوئی ترکیب سوچ لے گا۔"

"بے وقوف لڑکو! تمہارا خیال تھا کہ میں نے تمہیں نہیں دیکھا تھا؟ تمہارا خیال تھا کہ میں کھڑکی بند کرنا بھول گیا ہوں؟ اور پھر نقلی بِلّیاں بیچ کر مجھے اُلّو بنانا چاہتے ہو؟ میں پہلی اور آخری بار کہہ رہا ہوں کہ میرے راستے سے ہٹ جاؤ ورنہ انجام اچھا نہ ہو گا۔ میں بِلّو موٹے کے گھر جاؤں یا کہیں اور تمہیں مجھ سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ اگر تم یہاں سے نکل بھی بھاگو تو میرا پیچھا نہ کرنا، ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے۔" اُس کی آواز بہت سنجیدہ تھی۔ اتنا کہہ کر وہ باہر نکلا اور مکان کے دروازے میں تالا لگا کر چلا گیا۔

"عاقِب!" عنبر ایک دم چلّایا۔ "یہاں سے نکلنے کا راستہ تلاش کرو ورنہ وہ شخص چوتھی بِلّی بھی حاصل کرنے میں کام یاب ہو جائے گا۔"

عنبر کا کہنا تھا کہ ہر کمرے کا کوئی نہ کوئی کمزور پہلو ہوتا ہے۔ دروازہ، کھڑکیاں، فرش، روشن دان، غرض کسی نہ کسی چیز میں کوئی نہ کوئی کمی ایسی ہوتی ہے جس کے اندر بند آدمی کو باہر نکلنے میں مدد ملتی ہے۔ اسی خیال سے وہ اس کمرے میں بھی کمزور پہلو تلاش کرنے لگا۔

"ارے! تالا!" عنبر نے کمرے کے تالے کو ہاتھ میں پکڑتے ہوئے کہا۔ "اسے توڑنے کے لیے کچھ تلاش کرو۔"

جلد ہی انہیں ایک ہتھوڑی پڑی مل گئی، اور تالا توڑ کر وہ کمرے میں داخل ہو گئے۔ یہ کمرا نہ تھا، ایک طرح کا اسٹور روم تھا، اور اس میں ٹیلے فون رکھا تھا۔

عنبر نے جھپٹ کر ٹیلے فون کا ریسیور، اُٹھایا اور پھر بُرا سا بنایا۔

"کیا ہوا؟"

"ٹیلے فون تو بے کار ہے۔"

"اب کیا ہو گا؟"

"ہمیں اس کمرے سے باہر نکلنے کے لیے کوئی راستہ۔۔۔! مگر نہیں۔ یہاں کوئی کھڑکی تو کُجا روشن دان تک نہیں ہے۔"

"اب کیا ہو گا؟" انور نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔" عنبر نے دائیں ہاتھ سے اپنا نچلا ہونٹ مسلتے ہوئے کہا۔ "میں سوچ رہا ہوں۔ لو۔ یہ میرا آلہ کب کام آئے گا۔" اس نے جیب سے اپنا آلہ نکال کر اس پر لگا ہوا امدد کا بٹن دبایا۔

"اب نسیم کے آنے پر سُرخ بلب جل جائے گا اور وہ ہماری مدد کو آ پہنچے گا۔" عنبر نے کہا۔ انور نے اطمینان کا سانس لیا۔

یکایک عاقِب سر کھجاتے ہوئے بولا۔ "تمہارا یہ آلہ کتنے فاصلے تک کام کرتا ہے؟"

عنبر نے کہا۔ "میرے حساب کے مطابق اس کا سگنل تین ساڑھے تین

میل تک سُنا جانا چاہیے۔"

"تب تو ہم مارے گئے۔" عاقِب چلّایا۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟" عنبر کے بجائے انور نے گھبرا کر پوچھا۔

"نسیم اس وقت سرکس کے دروازے کے آس پاس ہو گا اور وہ جگہ یہاں سے پانچ میل دور ہے۔" عاقِب نے مُنہ بسورتے ہوئے کہا۔ "وہ ہمارا اشارہ کیسے قبول کر سکتا ہے۔"

اب عنبر کا مُنہ بھی لٹک گیا۔ یہ بات تو وہ بھُول ہی گیا تھا۔

"ہمیں ان ہی دو کمروں میں کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔" تھوڑی دیر بعد عنبر نے کہا۔

"ہاں، اگر وہ شخص آخری بِلّی حاصل کرنے میں کام یاب ہو جاتا ہے تو پھر وہ یہاں لوٹ کر نہیں آئے گا۔" عاقِب نے کہا۔

تینوں لڑکے پاگل بِلّیوں کی طرح دونوں کمروں میں اس قسم کی چیز تلاش

کرنے لگے جس سے انہیں باہر نکلنے میں مدد مل سکتی۔ پہلے تین چار منٹ مایوسی میں گزرے۔ پھر اچانک انور نے آواز دی۔ ”عنبر! عاقِب! اِدھر آؤ، اسٹور روم کی الماری کے قریب۔“

عنبر اور عاقِب تیزی سے وہاں پہنچے۔ ”یہ دیکھو!“ انور نے ایک عجیب و غریب سا لباس اور ایک ہک والے جوتے اُنہیں دکھائے۔“

”یہ کیا ہے؟“ عاقِب بولا۔

”یہ تو کوئی خاص قسم کا لباس ہے۔ ہو سکتا ہے سرکس کا کوئی بازی گر یہ لباس پہنتا ہو۔“ عنبر نے کہا۔ ”کیوں انور، تمہیں تو معلوم ہو گا؟“

”ہمارے سرکس میں تو اس قسم کا لباس کوئی بھی نہیں پہنتا۔ مگر جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، یہ لباس میں نے اپنے بچپن میں کہیں دیکھا ہے۔“

”یاد کرو، کہاں دیکھا ہے؟“ عنبر نے پوچھا۔

”جب میں چھوٹا سا تھا تو ایک دفعہ ابّو مجھے نانا سے ایک دو دِنوں کے لیے

لے آئے تھے۔ اس زمانے میں ابّو کے سرکس میں ایک آدمی کام کرتا تھا جس کا نام تو نہ جانے کیا تھا مگر اسے طاقت ور گابُو کہا جاتا تھا۔ گابُو اس قسم کا لباس پہنا کرتا تھا۔“

”کس لیے؟“ عنبر نے بے صبری سے پوچھا۔

”رسّی کے جال کو ہوا میں سرکس کی چھت سے لٹکا دیا جاتا تھا اور گابُو اِس قسم کا لباس پہن کر اُس جال پر اِس طرح چڑھ جایا کرتا تھا جیسے کوئی مکّھی دیوار پر چڑھ جاتی ہے۔“

عنبر اپنا ہونٹ مسلنے لگا۔ اسے کچھ یاد آرہا تھا اور اس کا ذہن اس وقت بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ”کیا یہ طاقت ور گابُو اب بھی تمہارے سرکس میں کام کرتا ہے؟“ اس نے انور سے پوچھا۔

”نہیں۔“ انور نے جواب دیا۔ ”گابُو کو پولیس پکڑ کر لے گئی تھی۔ سُنا ہے وہ پولیس سے بچنے کے لیے ہی ہمارے سرکس میں بھرتی ہوا تھا، ورنہ وہ ایک چور تھا۔“

”انور، کل جس آدمی نے تُم سے بِلّی چھینی تھی، وہی کالی مُونچھوں اور کالی عینک والا، کیاوہ گابُوسے ملتاجلتا تھا۔“

”نہیں۔بالکل نہیں۔“

”تمہیں یاد ہے عاقِب، کہ کس طرح وہ آدمی پارک کے گرد بنے ہوئے اُونچے سے جنگلے کو پھلانگ گیا تھااور ہم حیران رہ گئے تھے؟“

”تمہارامطلب ہے یہ کام گابُوکاہوسکتاہے؟“ عاقِب نے کہا۔

”ہاں، ہمیں اس بات کوذہن میں رکھناچاہیے۔“عنبرنے جواب دیا۔

”لیکن عنبر، گابُوکے دائیں ہاتھ پر نیلا سمندری جہاز کھُداہوانہ تھا۔“ انور نے کہا۔

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ عنبر نے کہا۔ گابُونے بعد میں وہ نشان کھُدوالیاہوگا۔اوروہ نشان بھی تونقلی ہوسکتاہے۔“

”ہاں، یہ بات تم ٹھیک کہتے ہو۔“ انور نے عنبر کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”لیکن اگر ہمارا پالا واقعی طاقت ور گا بُو پڑا ہے تو پھر ہمیں بہت ہوشیاری سے کام کرنا ہو گا کیوں کہ وہ بہت مکّار آدمی ہے۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں یہاں سے فوراً نکل کر بِلّو موٹے کے گھر پہنچا چاہیے۔“عنبر نے کہا۔ ”ہم ایک منٹ بھی ضائع نہیں کر سکتے۔“

”مگر یہاں سے نکلیں کیسے؟“

”چیخو، زور زور سے چیخو، تا کہ کوئی آدمی ہماری آواز سُن لے۔ اب ہمارے باہر نکلنے کی صرف یہی ایک ترکیب ہے۔“

تینوں لڑکوں نے زور زور سے چلّانا شروع کر دیا۔ ”مدد! مدد!“لیکن چونکہ وہ اندر کے کمرے میں بند تھے، اس لیے مکان کے باہر اُن کی آواز اتنی مدھم جارہی تھی کہ دن کے شور شغب میں سُنی جانی مشکل تھی۔

لیکن مدد آرہی تھی!

ہوا یوں تھا کہ جب عاقِب، عنبر اور انور نسیم کو چھوڑ کر آئے تھے تو نسیم

سر کس کے دروازے کے باہر ایک درخت پر چڑھ گیا تھا تاکہ سر کس سے باہر نکلنے والے پر نظر رکھے۔ ابھی چار پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ ایک جوکر سر کس سے نکل کر باہر گیا۔ پھر کچھ دیر بعد عادل چمپین اور کچھ دیر بعد دو اور آدمی باہر نکلے۔

تب نسیم کو اچانک محسوس ہوا کہ وہ تو سخت بے وقوفی کر رہا ہے۔ بھلا اتنے بڑے سر کس میں سے کیا صرف وہی آدمی باہر جائے گا جس کو بِلّیاں خریدنا ہیں؟ کیا کسی اور آدمی کو باہر جانے کی ضرورت نہیں پڑ سکتی تھی؟ وہ یہ سوچ کر اتر ہی رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ اکرم بھی باہر چلا گیا ہے۔ اب تو اُسے اپنی بے وقوفی پر ہنسی آ گئی۔ یہاں بیٹھنے سے اب کوئی فائدہ نہیں۔ اب اسے ہیڈ کوارٹر میں جا کر دیکھنا چاہیے۔

جب وہ ہیڈ کوارٹر پہنچا تو وہاں پر کوئی بھی نہ تھا۔ عنبر، عاقِب اور انور پہلے ہی جا چکے تھے اور انہوں نے کسی کو نہ بتایا تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ عنبر کی یہ بڑی بُری عادت تھی کہ وہ اپنا پروگرام خُفیہ رکھنا پسند کرتا تھا، اگرچہ

بعض دفعہ وہ مشکل میں بھی پڑ جاتا تھا۔

اچانک نسیم کو یاد آیا کہ اخبار میں فون نمبر بھی تو دیا ہوا تھا، ۳۲۳۲۔ کیوں نہ اس نمبر پر معلوم کرے کہ بِلّیاں کِس پتے پر مانگی گئی ہیں۔ اُس نے فون پر نمبر مِلایا۔ دوسری طرف گھنٹی بجی اور بجتی رہی، کسی نے ریسیور نہ اُٹھایا۔ نسیم نے پھر نمبر ڈائل کیا۔ پھر گھنٹی بجنے لگی۔ مگر ریسیور کسی نے بھی نہ اُٹھایا۔ تنگ آکر اُس نے رسیور رکھ دیا اور کریم اِنٹرپرائز میں چلا گیا۔

کریم اِنٹرپرائز عنبر کے خالُو کریم کی دکان تھی، جس میں ضرورت کی ہر چیز مل سکتی تھی۔ کریم صاحب بڑے خوش مزاج آدمی تھے، اور عنبر کے علاوہ نسیم اور عاقِب کے ساتھ بھی بڑی محبّت سے پیش آیا کرتے تھے۔ نسیم کو دُکان میں آتے دیکھ کر بولے، ”کیا بات ہے بھئی؟ آج تِگڈم پوری نہیں؟“

”خالُو جان، میں انہی کے متعلّق آپ سے پوچھنے آیا ہُوں۔“

”بھئی، یہ بیپ بیپ کی آواز کہاں سے آرہی ہے؟“ خالُو جان نے سُننے کی

کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”یوں لگتا ہے جیسے یہ تمہارے جسم میں سے آ رہی ہو“ وہ مُسکرائے۔

نسیم نے فوراً اپنا آلہ نکال کر دیکھا۔ ارے! اِس آلے کو تو وہ بھُول ہی گیا تھا۔

آلے میں لال بلب جل رہا تھا اور اُس میں سے بیپ بیپ کی آواز آ رہی تھی۔ عنبر اور عاقِب کو مدد کی ضرورت تھی!

”خالُو جان! عنبر اور عاقِب کسی مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔ ہمیں انہیں چھُڑانا چاہیے۔“

”مگر وہ ہیں کہاں؟“

”یہ تو مجھے بھی پتا نہیں۔“ نسیم نے کہا۔ ”لیکن اِس آلے کی سوئی ہمیں راستہ دکھائے گی۔“ خالُو نے دُکان میں تالا لگایا اور ایک ٹیکسی لے کر نسیم کے ساتھ اُس میں بیٹھ گئے۔

”کِدھر چلوں، جناب؟“ ٹیکسی ڈرائیور نے پُوچھا۔

”دائیں طرف۔“ نسیم نے کہا۔ اس کے آنے کی سُوئی کا رُخ دائیں جانب تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور ہر موڑ پر پوچھتا کہ کِس طرف جانا ہے اور نسیم سوئی کا رُخ دیکھ اُسے بتا دیتا، یہاں تک کہ وہ نیا بازار پہنچ گئے، اور یہاں ٹیکسی سے اُتر کر پیدل مکان نمبر ۷۴ کے پاس آ گئے۔ جب وہ یہاں سے آگے جانے لگے تو بیپ بیپ کی آواز، جو زور دار ہو گئی تھی، پھر ہلکی ہو گئی اور سوئی کا رُخ بھی پلٹ گیا۔

”اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ اِس مکان کے اندر بند ہیں۔“ نسیم نے خالُو جان سے کہا۔

انہوں نے دروازے کا تالا توڑ دیا اور تھوڑی ہی دیر بعد عنبر، عاقِب اور انور باہر آ گئے۔ لیکن اس پہلے کہ یہ لوگ وہاں سے جاتے، ایک بوڑھا آدمی کہیں سے آ دھمکا اور کہنے لگا۔ ”تم نے میرا تالا کیوں توڑا؟ تم بِلا اجازت میرے مکان کے اندر کیوں گئے؟“

”جناب، اس مکان میں ہمیں ایک آدمی نے بند کر دیا تھا۔“عنبر نے کہا۔
”اور وہ کوئی چور ہے۔ اس کے دائیں ہاتھ پر نیلے رنگ کا بحری جہاز کھُدا ہوا ہے۔“

”چور!“ بوڑھے نے حیرت سے کہا۔ ”نیلے رنگ کا بحری جہاز! دائیں ہاتھ پر! یہ سب کیا ہے؟ میں نے تو یہ مکان آج ہی کرائے پر چڑھایا ہے۔ ابھی صبح ہی ایک بوڑھا آدمی جو بے چارہ ریٹائرڈ استاد ہے، میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔۔۔۔۔۔“

”جناب، اس نے جو کچھ بھی کہا، سچ نہیں کہا۔ وہ چور ہے۔“عنبر نے اُسے بتایا۔

”تم جھوٹ کہتے ہو۔“ بُوڑھا بولا۔ ”میں تم لوگوں کے خلاف پولیس کو رپورٹ کروں گا۔“

”آپ شوق سے کر سکتے ہیں۔“ عبر نے کہا۔ ”ویسے میرا نام عنبر ہے، اِس کا عاقِب، اور اس کا نسیم۔ پولیس انسپکٹر صاحب کو ہم تینوں کے نام بتا دینا۔ وہ

ہمیں اچھی طرح جانتے ہیں۔ خالُو جان، میرا خیال ہے ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔۔ آیئے، ۳۲ فردوس پارک چلیں۔ مجھے اُمّید ہے وہ شخص سیدھا وہیں گیا ہو گا۔"

۳۲۔ فردوس پارک

جب یہ لوگ ۳۲ فردوس پارک پہنچے تو مغرب کا وقت ہو چکا تھا اور مکانوں کی بتّیاں روشن ہو گئی تھیں۔ مگر مکان نمبر ۳۲ تاریک پڑا تھا۔ اُس کے کسی کمرے میں بتّی نہیں جل رہی تھی۔

اچانک دوسری منزل پر ایک کمرے کی بتّی جلی۔ اُسی لمحے اُسی کمرے سے ایک عورت کی چیخوں کی آواز آئی۔ ”چور! چور! مدد! مدد!“

”وہی آدمی ہو گا!“ نسیم چلّایا۔

”جلدی چلو!“ عنبر چیخا اور سب کے سب مکان کے دروازے کی طرف دوڑے لیکن اچانک عاقِب نے کہا۔ ٹھہر جاؤ، عنبر! یہ دیکھو۔“

جس طرف عاقِب نے اشارہ کیا تھا، اُدھر دوسری منزل کی کھڑکی میں سے ایک آدمی باہر نکلا اور چھلانگ لگا کر زمین پر آ گیا۔

”پکڑو! پکڑو!“ عورت کھڑکی میں سے چِلاّئی۔ نیچے آنے والا وہی آدمی تھا جس کے ہاتھ پر بحری جہاز کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اُس کے ہاتھوں میں ایک پوٹلی تھی۔

”اس پوٹلی میں بِلّی ہو گی۔“ نسیم نے کہا۔

تینوں سُراغ رساں، انور اور خالُو جان اس کے پیچھے دوڑے۔ مگر نہ جانے وہ انسان تھا یا جِن۔ چند لمحوں میں غائب ہو گیا بس ایک موڑ تک وہ انہیں نظر آیا اور جب یہ لوگ موڑ پر پہنچے تو وہ غائب ہو چکا تھا۔

”افسوس ہے کہ ہم اُسے پکڑ نہ سکے۔“ نسیم نے کہا۔

”میرا خیال ہے موڑ پر کوئی کار یا ٹیکسی اُس کے انتظار میں کھڑی ہو گی، ورنہ وہ پیدل دوڑ کر اِتنی جلدی غائب نہیں ہو سکتا۔“عنبر بولا۔

”اب کیا فائدہ۔“ عاقِب نے بُرا سا مُنہ بنایا۔ ”اب تو وہ آخری بِلّی بھی لے جا چُکا ہے۔“

”خالُو جان، آپ دُکان پر تشریف لے جائیں، اب ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ ہم تھوڑی دیر بعد آ جائیں گے۔ اس خاتون سے دو چار باتیں پوچھنا ہیں، جس کے گھر میں اُس نے چوری کی ہے۔“عنبر نے کہا۔

”اچھا بیٹے، میں چلتا ہوں۔“ خالُو یہ کہہ کر چلے گئے۔ اُن کے جاتے ہی عنبر اور اُس کے ساتھی اس عورت کے مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا، اور جب وہ باہر آئی تو عنبر نے اس سے کہا۔ ”وہ چور بھاگ گیا۔ ہم نے پکڑنے کی بہت کوشش کی مگر کام یاب نہ ہو سکے۔ آپ تو بلّو موٹے کی امّی ہیں نا؟“

”ہاں، مگر تمھیں کیسے پتا؟ جہاں تک میں جانتی ہوں، ہم لوگ اس پہلے کبھی ایک دوسرے سے نہیں ملے۔“عورت نے کہا۔

”ہم جانتے تھے کہ یہ چور یہاں آئے گا۔ ہم اِس کا پیچھا کر رہے تھے مگر ہمیں پہنچنے میں ذرا دیر ہو گئی۔ کیا آپ کہیں گئی ہوئی تھیں؟“ عنبر نے پوچھا۔

”میں ذرا بلّو کی خالہ سے ملنے گئی تھی۔ وہ قریب ہی رہتی ہیں۔ آتے ہی دوسری منزل پر گئی اور جب بتّی جلائی تو اُسے دیکھا۔ میں ڈر گئی اور مدد کے لیے پُکارنے لگی۔ آگے تم جانتے ہی ہو۔“

”چور کیا لے گیا ہے؟“ عنبر نے سوال کیا۔

”میرے بلّو کی بِلّی لے گیا۔۔۔ وہ پرسوں شام ہی لایا تھا۔“

”آپ نے وہ بِلّی دیکھی تھی؟“

”ہاں ہاں۔ بھوری اور کالی دھاریوں والی بھُس بھری بِلّی تھی، اور بلّو اُسے نشانہ بازی کے مقابلے میں جیت کر لایا تھا۔“

”اچھا، اب اجازت دیجیے۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہمیں پولیس کو اِطّلاع کرنی

ہے۔"

۳۲ فردوس پارک سے نکل کر یہ لوگ سیدھے پولیس انسپکٹر کے پاس گئے کیونکہ اب معاملہ اُن کے ہاتھوں سے نکلا جارہا تھا۔

"تم نے بڑا اچھا کیا جو یہاں چلے آئے۔" انسپکٹر نے کہا۔ "مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ وہ کوئی خطرناک اشتہاری مجرم ہے۔ دیکھو نا، ہر جگہ نئے بھیس میں جاتا ہے۔ ویسے عنبر، تمہارے خیال میں اِن بِلّیوں یا کسی ایک بِلّی کے اندر کیا چیز ہو سکتی ہے؟"

"میرے ذہن میں ابھی اس سوال کا کوئی جواب نہیں۔ ہو سکتا ہے کوئی ہیرا ہو، یا اسی قسم کی کوئی اور قیمتی چیز۔" عنبر نے جواب دیا۔

"اچھا، اب تم لوگ جا کر آرام کرو۔ میں پولیس کو اِس مُجرم کے سارے حُلیوں کی اِطّلاع دیتا ہوں۔ اِنشاءاللہ وہ جلد پکڑا جائے گا۔"

انسپکٹر کے پاس سے اُٹھ کر یہ لوگ سرکس گئے اور اکرم صاحب سے

ملے۔ عنبر نے ان سے پُوچھا۔ "جناب، کیا آپ کے سرکس کا کوئی آدمی اِس وقت غیر حاضر ہے۔"

"نہیں۔" اکرم صاحب نے جواب دیا۔ "شو شروع ہو چکا ہے اور چند منٹ پہلے ہی میں نے سارے آدمیوں کی حاضری لگائی ہے۔"

جب عنبر، نسیم اور عاقِب گھر کی طرف روانہ ہوئے تو عنبر نے کہا۔ "میرا خیال ہے چور سرکس ہی میں ہے، لیکن جس روپ میں ہم نے اُسے ۴۷ نیا بازار اور ۳۲ فردوس پارک میں دیکھا ہے، وہ سب بہروپ ہے۔ اُس کا سرکس کا روپ یقیناً کچھ اور ہی ہے۔"

چور! چور!

اگلے دن صُبح ہی صُبح عنبر کو خالُو کریم نے جگایا۔ کہنے لگے۔ ”بیٹے، آج اخبار میں ایک اشتہار ہے کہ راولپنڈی میں ایک جگہ کچھ سامان نیلام ہو رہا ہے۔ جا کر وہ سامان تو لے آؤ۔“ انہوں نے اِس انداز سے کہا جیسے راولپنڈی شاداب نگر سے چند ہی قدم کے فاصلے پر ہو۔

عنبر ایک جھٹکے سے اُٹھ بیٹھا۔ چند لمحے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔ ”ٹھیک ہے، خالُو جان۔ لائیے، پیسے نکالیے۔“

خالُو جان سے پیسے لے کر وہ سیدھا اسٹیشن گیا اور راولپنڈی جانے والی گاڑی پکڑلی۔ ٹھیک بارہ بجے وہ پنڈی پہنچ گیا۔

عاقِب اور نسیم صُبح کے ناشتے سے فارغ ہو کر کریم اِنٹر پرائز پہنچے تو خالُو جان نے انہیں بتایا کہ عنبر پنڈی چلا گیا ہے۔

ایسے نازک وقت انہیں عنبر کا راولپنڈی جانا اچھّا نہ لگا۔ ”کب تک واپس آ جائے گا؟“ عاقِب نے پوچھا۔

”ہو سکتا ہے چار پانچ بجے تک واپس آ جائے۔ وہ بس سامان خرید کر ٹرک میں رکھوائے گا اور یہاں لے آئے گا۔“

”اچھا، اس سے کہنا ہم آئے تھے۔“ نسیم نے مُنہ لٹکاتے ہوئے کہا۔ ”اور کچھ دیر خفیہ ہیڈ کوارٹر میں بیٹھ کر چلے گئے۔

وہ دونوں کریم انٹر پرائز کی پُشت پر خفیہ ہیڈ کوارٹر میں گئے۔ اُن کا خیال تھا کہ عنبر اُن کے لیے کوئی پیغام چھوڑ گیا ہو گا۔ مگر وہاں کوئی پیغام نہ تھا۔

عنبر رات اُن کے پاس سے آتے ہی سو گیا تھا اور صُبح صُبح راولپنڈی چلا گیا تھا۔

”میں کہتا ہوں۔“ نسیم نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔ ”آخر وہ راولپنڈی کیوں چلا گیا؟“

”بھئی، اگر تمھیں اتنا ہی غصّہ آ رہا ہے اس کے راولپنڈی جانے پر، تو تم کراچی چلے جاؤ۔“ عاقِب نے ہنس کر کہا۔

”میرا یہ مطلب نہیں۔“ نسیم بولا۔ ”اُس نے خود ہی تو شام کہا تھا کہ اُس کے خیال میں بِلّی چور سرکس ہی کے اندر، کسی اور روپ میں، موجود ہے۔ میرا خیال تھا کہ ہم آج سرکس کے اندر چلتے اور کچھ اور تفتیش کرتے۔“

”وہ تو ہم اب بھی کر سکتے ہیں۔“ عاقِب نے کہا۔ ”عنبر ہمیں وہاں جانے سے منع تو نہیں کر گیا۔“

”ہمیں اس کے بارے میں کچھ بھی تو علم نہیں کہ وہ کس قسم کے روپ میں

ہو سکتا ہے۔“ نسیم بولا۔ ”اس لیے ہمارا وہاں جانا کار آمد ثابت نہیں ہو سکتا۔ سُراغ رساں نمبر دو اور تین نمبر ایک کے بغیر ادھورے ہیں۔“

”ادھورے کہاں، ہم تو دو تہائی ہیں۔“ عاقِب نے اِتنی سنجیدگی سے کہا کہ نسیم کو ہنسی آ گئی۔

عنبر شام کے ساڑھے پانچ بجے شاداب نگر واپس پہنچا۔ اور ٹرک پر سے سامان وغیرہ اُتروانے میں اُسے چھ بج گئے۔ اس کے بعد وہ سیدھا خفیہ ہیڈ کوارٹر میں پہنچا۔ ابھی اُسے آئے چند ہی منٹ گزرے ہوں کہ عاقِب اور نسیم بھی وہاں پہنچ گئے۔ عنبر اُس وقت آلتی پالتی مارے بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔

”ہیلو، نمبر ایک۔“ نسیم چلّایا۔ ”یہ تم کیا سوچ رہے ہو؟ اور یہ تم بغیر اِطّلاع دیے راولپنڈی کیوں چلے گئے تھے؟“ عاقِب نے کہا۔

”ان دونوں باتوں کا جواب ایک ہی ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”میں نے راولپنڈی جانا اس لیے منظور کر لیا تھا کہ وہاں سے کچھ باتیں معلوم ہو سکتی

تھیں۔ تُم جانتے ہو نا کہ سرکس پہلے راولپنڈی میں لگا ہوا تھا۔“

”ہاں ہاں۔“ نسیم نے کہا۔ ”پھر وہاں سے کیا معلوم ہوا؟“

”سُنو، میں درمیان میں وقت نکال کر وہاں پبلک لائبریری گیا اور پرانے اخباروں کے فائلوں میں سے کچھ ضروری معلومات اکٹھی کیں۔ سب سے ضروری بات جو مجھے اس سلسلے میں معلوم ہوئی، وہ ہے ڈاکا!“

”ڈاکا؟ نسیم اور عاقِب حیرت سے چیخے۔

”ہاں، جس رات اکرم سرکس کمپنی میں آگ لگی، اسی دن راولپنڈی کے ایک پٹرول پمپ پر شام ڈھلے ڈاکا پڑا اور ڈاکو ساٹھ ہزار روپے کے نوٹ لے اُڑا تھا۔ وہ اسی قسم کا لباس پہنے ہوئے تھا، میں قسم کا لباس ہم نے نیا بازار میں دیکھا تھا۔“

نسیم اور عاقِب حیرت سے مُنہ پھاڑے ساری تفصیل سُن رہے تھے۔

”سات آٹھ آدمیوں نے شہر کے مختلف علاقوں میں اُسے دیکھا۔ ہر ایک کا

یہ کہنا تھا کہ اس کے دائیں ہاتھ پر ایک نیلا بحری جہاز بنا ہوا تھا۔"

"اوئے ہوئے!" نسیم سے نہ رہا گیا۔ "گویا وہ ڈاکو اس وقت شاداب نگر میں ہے؟"

"اس کے بھاگنے کے انداز سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ہمارا بِلّی چور اور پنڈی کا ڈاکو در حقیقت ایک ہی آدمی ہے۔"

"کیوں؟ وہاں وہ کس انداز سے بھاگا تھا؟" نسیم نے پوچھا۔

"جب پولیس اس کا پیچھا کرتی ہوئی ایک بند گلی میں پہنچی تو وہ مکان کی دیواروں پر چڑھ کر فرار ہو گیا، بالکل اسی طرح جیسے اُس نے پارک کا اُونچا جنگلا عبور کیا تھا۔"

"مگر عنبر۔" عاقِب بولا۔ "کیا یہ شخص گا بُو ہی ہے؟"

"ہاں۔" عنبر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال تو یہی ہے کہ یہ سارا کام اس کے علاوہ اور کسی کا نہیں۔"

”پولیس اُسے پکڑنے میں کامیاب نہ ہوئی؟“

”اگر پولیس اسے پکڑ لیتی تو وہ یہاں کیسے آسکتا تھا۔ آخر میں وہ سرکس کے پاس دیکھا گیا۔ وہاں اس نے لمبا سا کوٹ پہن رکھا تھا۔ اچانک ہوا سے اُس کا کوٹ لہرایا اور نیچے سے اُس کا اصل لباس نظر آگیا۔ جب ایک سپاہی کو اس پر شُبہ گزرا اور وہ اس کے پیچھے دوڑا تو وہ سرکس کی بھیڑ میں شامل ہو گیا اور پھر۔۔۔“

”پھر تو میں بھی جانتا ہوں کہ کیا ہو۔“ عاقِب نے کہا۔

”آگ لگ گئی سرکس میں؟“ نسیم بے تابی سے بولا۔

”ہاں، اور یوں وہاں بھگدڑ مچ گئی۔ سب لوگ آگ بجھانے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔“ عنبر نے کہا۔

”آگ پر قابو پانے کے بعد ڈاکو کو بہت ڈھونڈا گیا مگر اسے نہ ملنا تھا، نہ ملا۔“ عنبر نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔ ”دراصل ان سب باتوں

سے میرا یقین مضبوط ہو جاتا ہے کہ وہ شخص شاداب نگر سے گیا نہیں بلکہ سرکس ہی میں موجود ہے۔"

"مگر عنبر، یہاں اسے بِلّیوں کی کیا ضرورت پڑ گئی؟" نسیم نے کہا۔ "آخر ساٹھ ہزار کے نوٹ تو بِلّی کے پیٹ میں نہیں رکھے جاسکتے۔"

"بِلّی میں اُس نے کچھ ایسی چیز چھُپائی ہے جس کی مدد کے بغیر وہ رقم حاصل نہیں کر سکتا۔ کسی بینک لاکر کی چابی یا کوئی اور اس قسم کی چھوٹی سی چیز۔"

"مگر اب کہ وہ پانچویں بِلّی لے چکا ہے، اُسے اپنی چیز واپس مل گئی ہو گی اور ہو سکتا ہے وہ شاداب نگر سے رات ہی چلا گیا ہو۔"

"نہیں۔ اس کے لیے پولیس سے بچنے کا ایک ہی راستا ہے اور وہ یہ کہ وہ سرکس کے اندر ہی رہے۔ اس طرح کسی کو بھی اُس پر شُبہ نہ ہو گا۔

تم ٹھیک کہتے ہو۔" عاقِب نے کہا۔ "اور اگر اُس کا کام پُورا ہو چکا ہے تو سرکس میں اب کوئی نیا حادثہ بھی نہ ہو گا۔"

”ہاں، میرا خیال تو یہی ہے۔“ عنبر نے اپنا نِچلا ہونٹ مسلتے ہوئے کہا۔

”اب سرکس کا شو شروع ہونے ہی والا ہو گا۔ یہی مناسب وقت ہے کہ ہم وہاں جائیں اور اسے پکڑنے کا بندوبست کریں۔“

”کیا تم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہو کہ وہ ڈاکو سرکس میں کِس روپ میں ہو گا؟“ نسیم نے پوچھا۔

”نہیں۔ ابھی تو میں نہیں جانتا۔ مگر مجھے اُمّید ہے کہ ہم لوگ آنکھیں کھول کر سرکس کا ایک چکّر لگا لیں تو میں اُسے پہچان لوں گا۔“

چند منٹ بعد تینوں سُراغ رساں سرکس کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے جلدی سے سائیکلوں کو سٹینڈ پر رکھا اور اندر گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سب لوگ ایک جگہ ہجوم کیے کھڑے تھے۔

”یوں لگتا ہے جیسے آج پھر کوئی حادثہ ہو گیا ہے۔“ نسیم چلّایا۔

”لیکن میرے حساب سے تو سرکس میں اب حادثہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔“

عنبر نے نچلا ہونٹ مسلتے ہوئے کہا۔ ”آؤ، دیکھتے ہیں کیا ہوا۔“

تینوں سُراغ رساں بھیڑ کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے۔ یہ بھیڑ ایک اسٹال کے پاس لگی تھی جس میں سجاوٹ کا سامان تھا، اس اسٹال کی ایک دیوار چاقو سے پھاڑ دی گئی تھی اور یہاں سے غلّہ اُڑا لیا گیا تھا اور یہ اسٹال سے چند گز کے فاصلے پر پڑا ہوا پایا گیا تھا۔

”اکرم صاحب!“ خان بول رہا تھا۔ ”میں تو کہتا ہوں کہ آپ کو یہ سرکس بند ہی کرنا پڑے گا۔ ہم کب تک ایک بعد دوسرا حادثہ دیکھتے رہیں گے؟“

عادل چمپین کہہ رہا تھا ”ہمارے سرکس میں کوئی خطرناک آدمی شامل ہو گیا ہے۔ یہ کام اُس کا ہے۔“

”یہ سرکس ہی منحوس ہے۔“ لمبے جوکر نے اداس سا چہرہ بناتے ہوئے کہا۔ ”میں تو کہتا ہوں کہ اس سرکس کو بند کر دو تو بہتر ہے۔ ہم ہر لمحے ڈرتے رہتے ہیں کہ نہ جانے کیا ہو جائے۔“

”تم سب کان کھول کر سُن لو، میں سرکس بند نہیں کروں گا۔“ اکرم صاحب نے چیخ کر کہا۔ ”جو جانا چاہے، جا سکتا ہے۔ مگر ایک شرط پر۔۔۔ جانے والا شخص پہلے پولیس کو تلاشی دے گا، پھر جائے گا۔ میں خواہ مخواہ اپنے سرکس کو بدنام ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔“

اس شرط کو سن کر سب لوگ ٹھنڈے ہو گئے۔ جو کر بھی اِدھر اُدھر ہو گیا اور آہستہ آہستہ اور لوگ بھی کام پر جانے لگے۔

”اب کیا ہو گا، ابّو؟“ انور نے اپنے والد سے پوچھا۔

”کچھ نہیں ہو گا، بیٹے۔“ اکرم صاحب نے کہا۔ ”سرکس کا شو ہو گا اور بس۔“ تب انہوں نے دیکھا کہ تین سُراغ رساں بھی وہیں کھڑے ہیں اور غور سے اُن کی بات سُن رہے ہیں۔ میں تم تینوں کا شکر گزار ہوں۔ تم ٹھیک کہہ رہے تھے کہ سرکس میں کچھ گڑبڑ ہے۔“

”گڑبڑ؟“ عنبر نے حیرت سے کہا۔ ”جناب، ایک ڈاکو آپ کے سرکس میں چھُپا ہوا ہے۔“

"ڈاکو؟" اکرم صاحب نے بھنویں سکیڑتے ہوئے کہا۔ "تمہارا مطلب ہے، راولپنڈی میں جس ڈاکو نے۔۔۔"

"جی ہاں، میرا یہی مطلب ہے۔" عنبر نے آگے بڑھتے کہا۔ "اور میرے خیال کے مطابق وہ ڈاکو ابھی تک سرکس کے اندر ہی موجود ہے۔"

"مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے!" اکرم صاحب نے کہا۔ "جس شخص کے دائیں ہاتھ پر نیلا سمندری جہاز کھُدا ہوا ہو اور میرے سرکس میں ایک بھی ایسا آدمی نہیں جس کے ہاتھ پر ایسا نشان ہو۔"

"وہ نشان تو نقلی بھی ہو سکتا ہے۔" عنبر نے کہا۔ "ڈاکا ڈالتے وقت اس نے جو روپ رکھا ہو، یہ نشان بھی اُسی روپ کا ایک حصّہ ہو۔"

"ہاں، یہ تو ممکن ہے۔ مگر آخر وہ کون ہو سکتا ہے؟"

"جہاں تک میرا خیال ہے، وہ طاقت ور گابُو ہے۔" انور نے آہستہ سے کہا۔

"مگر بیٹے۔" اکرم صاحب نے حیرت سے کہا۔ "گابُو کا یہاں کیا کام؟ اُسے

تو میں نے برسوں سے نہیں دیکھا۔ اور پھر میں اُسے اچھّی طرح جانتا ہوں۔ وہ تو جیل چلا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے اب بھی جیل ہی میں ہو۔“

”آپ کو پورا اطمینان ہے کہ گابُو سرکس میں نہیں ہے؟“ عنبر نے پوچھا۔

”ہاں، بالکل یقین ہے۔“ اکرم صاحب نے کہا۔ ”میں تو اُس کو دُور سے پہچان سکتا ہوں۔“

”پھر آپ کے خیال میں یہ حادثے کون کرا رہا ہے اور اِن کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟“ عنبر نے پوچھا۔

”جب تو میں نے تمھیں ٹال دیا تھا، لیکن اب بتائے ہی دیتا ہوں۔ ایسا لگتا ہے کہ میرے سسر صاحب یہ گڑبڑ کرا رہے ہیں۔“

”یعنی انور کے نانا؟“ عنبر نے پوچھا۔

”ہاں، وہ میرا سرکس تباہ کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔“ اکرم صاحب نے کہا اور چند فقروں میں وہی باتیں بتائیں جو سُراغ رساں انور سے سُن چکے

تھے۔

"اچھّا، اب میں شو شروع کرتا ہوں۔" اکرم صاحب کہہ کر چلے گئے۔

عنبر اکرم صاحب کی باتیں سُنتے وقت بھی اپنا نچلا ہونٹ مسلے جا رہا تھا اور اب بھی۔ یہ اِس بات علامت تھی کہ وہ کچھ سوچ رہا ہے۔ اچانک اُس نے انور سے پوچھا۔ "تمہارے پاس کوئی چھٹی بِلّی تو نہیں تھی۔"

"نہیں۔ مگر کیوں؟"

"گابُو کو شاید وہ چیز جو اُس نے بِلّی میں چھپائی تھی ان پانچوں بِلّیوں میں سے نہیں ملی۔ اسی لیے اُسے ایک بار پھر سرکس میں گڑبڑ کر کے۔۔۔ اوہ! ذرا جلدی سے اپنے خیمے کی طرف چلو۔ انور! میرا خیال ہے جب لوگ یہاں تھے تو گابُو تمہارے خیمے کے اندر اطمینان سے چھٹی بِلّی تلاش کر رہا تھا۔"

"ارے بھاگو!" انور بھی یکایک چلّایا۔ "میرے پاس ٹوٹی ہوئی بِلّی تھی۔ ہو سکتا ہے گابُو کو اُسی بِلّی کی تلاش ہو۔"

"ہم نے بہت دیر کر دی۔" عنبر نے کہا۔ "کہیں آج بھی بنا بنایا کھیل نہ بگڑ جائے۔" وہ تیزی سے انور کے خیمے کی طرف جارہا تھا۔

جب چاروں لڑکے انور کے خیمے میں پہنچے تو وہاں عجب سا منظر تھا۔ انور کا کھلونوں اور انعاموں والا صندوق کھُلا پڑا تھا اور اُس میں سے ٹوٹی ہوئی بِلّی غائب تھی۔ عنبر کو ایسا لگا جیسے ایک سایہ سا خیمے کے باہر کھڑا تھا اور اُن لوگوں کے اندر آتے ہی وہاں سے کھسک گیا ہو۔ عنبر جلدی سے باہر نکلا۔ سامنے ایک دھندلا سا سایہ پارک کی طرف جارہا تھا۔

"دوڑو!" عنبر چلّایا۔ "وہ رہا، ہمارا چور!"

ویران جزیرہ

عنبر، نسیم، عاقِب اور انور چاروں پارک کی طرف دوڑے۔ وہ شخص اُن سے کافی دور تھا لیکن ابھی پارک میں داخل نہ ہوا تھا۔

"ہمیں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔" عنبر نے کہا۔ "اور کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ہمیں دیکھ نہ پائے۔"

جب یہ لوگ پارک کے اندر داخل ہوئے تو عنبر نے کہا۔ "اب ہمیں دو دو میں بٹ جانا چاہیے۔ نسیم اور دائیں طرف جنگلے کے ساتھ ساتھ جائیں گے،

اور انور عاقِب بائیں جانب جنگلے کے ساتھ ساتھ۔"

"عنبر! تمہیں پکّا یقین ہے کہ یہ وہ ڈاکو ہے۔" انور نے پوچھا۔

"ہاں۔" عنبر نے جواب دیا۔ "مجھے تو پکّا یقین ہے۔ اس لیے میں نے تُم سے کہا تھا کہ احتیاط کرنا، وہ ہمیں پیچھا کرتے ہوئے نہ دیکھ لے۔"

"گویا وہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" نسیم نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ہاں، اور ہم میں سے جس گروپ کو بھی وہ مِل جائے، وہ اُس کا خاموشی سے پیچھا کرے، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کہاں جاتا ہے۔ پھر ہم اُسے پکڑنے کے لیے پولیس کی مدد حاصل کریں گے۔"

"ہاں، یہ ترکیب ٹھیک ہے۔" عاقِب نے کہا۔

"یہ لو، ایک آلہ تُم رکھ لو اور ایک ہم رکھ لیتے ہیں۔" عنبر نے عاقِب کو آلہ دیتے ہوئے کہا۔ "ہم میں سے کوئی مُشکل میں پھنس جائے اور مدد کا بٹن دبائے تو دُوسرا گروپ فوراً اس کی مدد کو پہنچے اور ضرورت سمجھے تو پولیس کو

بھی اِطّلاع کر دے۔“

وہ دو دو کے گروپ میں تقسیم ہو کر، دائیں بائیں، جنگلے کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ پارک میں گھنی اور اُونچی جھاڑیاں تھیں، اس لیے وہ آسانی سے چور کی نظر سے چھُپے رہ سکتے تھے۔ اب چاند نکل آیا تھا۔ دُور سرکس سے ساز بجنے کی آوازیں آرہی تھیں اور سمندر کے ساحل پر ختم ہونے والے اس پارک میں عجیب و غریب ساماحول محسوس ہو رہا تھا۔

عنبر اور نسیم دائیں طرف کو بڑھتے چلے گئے۔ کافی دُور جا کر اُنہیں یہ احساس ہوا کہ چور اُن کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ پھر بھی وہ بھاگ نہ سکتے تھے۔ ہو سکتا ہے چُور کو ان کے پیچھا کرنے کا پتا چل گیا ہو اور وہ محتاط ہو گیا ہو۔ یوں بھی عنبر اس مرحلے پر ذرا سی بے احتیاطی سے کام خراب نہیں کرنا چاہتا تھا، اس لیے وہ اور نسیم چھُپتے چھپاتے سمندر کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

اچانک نسیم کو، کچھ فاصلے پر ایک درخت کے تنے کے قریب، خان نظر

آیا۔ اسی لمحے خان کی زور دار آواز آئی۔ ”مجھ سے چھُپنے کی کوشش نہ کرو۔“ اس کی آواز میں غصّہ اور نفرت تھی۔ ”میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔ بہتر ہے کہ خود کو میرے حوالے کر دو۔“

نسیم کچھ کہنے والا تھا کہ عنبر نے اُس کے مُنہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی طرف کھینچ لیا اور آہستہ سے بولا۔ ”خان ہمیں نہیں دیکھ سکتا۔ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ تم چھُپے رہو۔“

”مگر عنبر، کیا خان ہی۔۔۔۔۔“ نسیم نے لرز کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”نہیں، ہو سکتا ہے خان نے چور کو دیکھ لیا ہو اور وہ یہ فقرہ اُس سے کہہ رہا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نیلے رنگ کے سمندری جہاز کی طرح چور ہی خان بنا پھرتا ہو۔“

”تمہارا مطلب ہے کہ خان ہی گابُو ہے؟“ نسیم نے کہا۔

”ہاں، خان بھی گابُو ہو سکتا ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”سرکس کا کوئی بھی آدمی

گا بُو ہو سکتا ہے۔"

اب وہ اور بھی زیادہ احتیاط سے کام لینے لگے کیونکہ وہ یہ نہ جان سکے تھے کہ اس وقت وہ دو آدمیوں کا پیچھا کر رہے ہیں یا ایک کا۔ وہ پھُونک پھُونک کر قدم رکھتے ہوئے اب سمندر کے کنارے پہنچ گئے تھے۔ یہاں ایک پرانی دُھرانی سی کشتی پڑی تھی جسے لوگ اب استعمال میں نہیں لاتے تھے۔ یہ کشتی ایک درخت سے بندھی ہوئی تھی۔

عنبر اور نسیم آہستہ آہستہ اُس کشتی کے پاس پہنچے ہی تھے کہ اچانک انہیں دو آدمیوں کے بھاگنے کے آوازیں سنائی دیں۔ یہ آوازیں خاصی نزدیک سے آرہی تھیں، اس لیے عنبر نے نسیم کا ہاتھ پکڑ کر اُسے زور سے گھسیٹا اور کشتی میں داخل ہو گیا۔

کشتی کے ایک کونے میں ایک پھٹی پُرانی ترپال پڑی تھی۔ عنبر اور نسیم اُس ترپال کے نیچے خاموشی سے لیٹ گئے اور آنے والوں کی آہٹ سُننے لگے۔

اچانک انہیں محسوس ہوا کہ ایک آدمی بھاگتا ہوا کسی اور طرف نکل گیا

ہے، اور دوسرا آدمی آہستہ آہستہ اِدھر ہی آ رہا ہے۔ عنبر نے نسیم کا ہاتھ آہستگی سے دبایا جس کا مطلب یہ تھا کہ اُسے چُپ چاپ پڑے رہنا چاہیے۔

قدموں کی چاپ مدھم ہوتی گئی۔ یا تو آدمی دور چلا گیا تھا، یا وہ محتاط ہو گیا تھا۔

عنبر اور نسیم کو یوں لگا جیسے انہیں کشتی کے ترپال کے نیچے بیٹھے صدیاں گزر گئی ہوں۔"

"یہ کیا؟" نسیم نے آہستہ سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہماری کشتی چل رہی ہے۔"

عنبر نے ترپال اُوپر سے اُتار دیا۔ کشتی واقعی پانی میں بہہ رہی تھی۔ "ہم تو کھُلے سمندر میں آ پہنچے ہیں!"

"اب کیا کریں؟" نسیم نے کہا۔ "تم نے اتنی زیادہ احتیاط کی کہ ہمارا کباڑا ہی ہو گیا۔"

”اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ میرا خیال ہے ہم تیر کر ساحل تک پہنچ سکتے ہیں۔ آؤ، جلدی کرو۔“ عنبر نے کہا اور سمندر میں کود کر ساحل کی طرف تیرنے لگا۔ نسیم اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔

سمندر میں اس وقت لہریں پیدا ہو رہی تھیں اس لیے تیرنا آسان کام نہ تھا۔ عنبر نے چند منٹوں میں محسوس کر لیا کہ اگر وہ لوگ کشتی میں واپس مڑ نہ گئے تو کوئی حادثہ ہو سکتا ہے۔ وہ چلّایا۔ ”نسیم! ہمیں کشتی ہی میں واپس چلنا ہو گا، جلدی کرو۔“ جب وہ مُڑا تو اُس نے دیکھا کر نسیم اس سے پہلے ہی کشتی کی طرف جا رہا تھا۔

کشتی میں چپّو اور بادبان نہ تھے، اس لیے یہ آسانی سے انہیں مل گئی اور دونوں اس کے اندر پہنچ گئے۔ کشتی لہروں پر اُچھلتی تیرتی ساحل سے دُور ہوتی جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد عنبر نے نسیم سے پہنچ کر پوچھا۔ ”نسیم! یہ کیا نظر آ رہا ہے کالا سا، جس کی طرف ہماری کشتی جا رہی ہے؟“

”یہ تو گنورہ ہے، ایک جزیرہ۔ ہمیں اس جزیرے پر چلے جانا چاہیے۔ وہاں

آرام سے بیٹھ کر واپسی کی ترکیب سوچ سکیں گے۔"

کچھ دیر بعد چپ وہ جزیرے پر اُتر گئے تو عنبر نے اپنی جیب سے آلہ نکالا اور مدد کا بٹن دبایا لیکن آلہ پانی بھرنے کے باعث خراب ہو گیا تھا۔

ایک یا دو؟

عاقِب اور انور بائیں، طرف، جنگلے کے ساتھ ساتھ کافی دیر تک چلتے رہے۔ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے وہ چلے تھے۔ گویا انہوں نے پورا چکّر کاٹ لیا تھا، لیکن نہ تو راستے میں انہیں کوئی چور نظر آیا اور نہ عنبر اور نسیم ہی ملے۔

"انور!" عاقِب نے کہا۔ "نہ تو ہمیں چور ملا اور نہ عنبر اور نسیم۔ کہیں وہ کسی پریشانی میں تو نہیں پھنس گئے؟"

”میرا خیال ہے ہمیں سر کس میں جا کر پولیس کی مدد حاصل کرنی چاہیے۔“ انور نے کہا۔ ”لو، ابّو تو شاید اِدھر ہی آ رہے ہیں۔“ اس نے دور سے دیکھ کر کہا۔

اکرم صاحب انور اور عاقِب کو دیکھ کر دوڑ کے اُن کے پاس آئے اور بولے ”خدا کا شکر ہے تم ٹھیک ٹھاک ہو۔“

”ہم تو ٹھیک ٹھاک ہیں لیکن عنبر اور نسیم کا پتا نہیں چل رہا۔“ عاقِب نے کہا۔

”ہم نے ایک آدمی کا پیچھا کیا جو میرے خیمے میں ٹوٹی ہوئی بِلّی لے گیا ہے۔ یہاں آ کر ہم دو دو میں بٹ گئے، اور اب ہمیں عنبر اور نسیم نہیں مل رہے“ انور نے اداس لہجے میں کہا۔

اکرم صاحب نے ماتھے پہ بل ڈالتے ہوئے کہا۔ ”تو خان ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔“ خان بھی اکرم صاحب کے پیچھے پیچھے وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس نے کہا ”میں نے انور کے خیمے کے اندر سے کسی کو باہر جاتے دیکھا اور اس کا پیچھا

کرتا ہوا پارک میں پہنچ گیا۔ ایک دو بار میں نے اُسے نزدیک سے دیکھا بھی لیکن وہ بچ کر نکل گیا۔"

"تم نے نسیم اور عنبر کو نہیں دیکھا؟" اکرم صاحب نے پوچھا۔

"نہیں، بالکل نہیں۔" خان نے کہا۔

"اچھا، تم کچھ چوکیداروں کو لے آؤ۔ ہم سارے پارک میں بچّوں کو تلاش کریں گے۔ جلدی کرو!" یہ کہہ کر اکرم صاحب لڑکوں سے بولے۔ "تم یہاں ٹھہرو۔ میں ابھی آیا۔"

اُن کے جاتے ہی عاقِب بولا۔ "لیکن انور، ہم نے تو صرف ایک شخص کو بھاگتے ہوئے دیکھا تھا اور خان کہتا ہے کہ وہ بھی چور کا پیچھا کر رہا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ سرکس میں گابُو خان کے روپ میں رہتا ہو؟"

"اگر گابُو خان کے روپ میں رہتا ہے تو پھر عنبر اور نسیم کو اُسی نے پکڑ لیا ہو گا۔ اس صورت میں تو معاملہ اور بھی خطرناک ہو جائے گا۔"

اکرم صاحب واپس آئے تو بچّوں نے انہیں اس خطرے سے آگاہ کیا۔ وہ بولے۔ ”نہیں بھئی، ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہمارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔“

”لیکن، جناب۔“ عاقِب نے کہا۔ ”وہ ہر جگہ کیوں اپنی ٹانگ اڑاتا پھرتا ہے؟“

”یہ تو اُس کا فرض ہے۔ آخر وہ سرکس کی حفاظت کا ذمّے دار ہے۔ اچھا آؤ، ہم اس سے اور کچھ باتیں پوچھتے ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ سرکس کی طرف گئے، مگر خان کا سرکس میں کہیں پتا نہ تھا۔

”میرا خیال ہے اب ہمیں پولیس سے مدد لینا ہو گی۔ اکرم صاحب نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

دو گھنٹے کے اندر اندر پولیس نے سارا سرکس، پارک اور آس پاس کا علاقہ چھان مارا لیکن نہ تو خان ملا اور نہ عنبر اور نسیم کا کوئی پتا چلا۔ سرکس کے اندر شو جاری تھا۔ لوگ مزے سے تماشا دیکھ رہے تھے۔ انہیں یہ پتا ہی نہ تھا کہ

باہر کتنا بڑا ڈراما ہو رہا ہے۔

"عاقِب، تمہارا خیال ہے کہ خان ہی راولپنڈی کے پٹرول پمپ کے ڈاکے کا مجرم ہے؟" انسپکٹر نے تیسری بار یہ سوال پوچھا۔

"جی ہاں، میرا یہی خیال ہے۔" عاقِب نے کہا۔

"دراصل کل شام جب تمہارے بتائے ہوئے حُلیے کا شخص نہیں ملا تو میں سوچ رہا تھا کہ شاید وہ شاداب نگر سے بچ کر چلا گیا ہے۔"

"لیکن جناب، عنبر نے شام بھی یہی خیال ظاہر کیا تھا کہ چور جو کوئی بھی ہے، سرکس کے اندر ہی موجود ہے۔"

"عنبر بڑا ذہین لڑکا ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔

"اکرم صاحب، خان کب سے آپ کے پاس ملازم ہے؟" انسپکٹر نے اچانک پوچھا۔

"تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے۔ لیکن مجھے اُس پر کبھی شک نہیں گزرا۔ اگر وہ

واقعی چور ہے تو بڑا چالاک ہے۔"

"ہم نے ایک آدمی کو انور کے خیمے کے باہر دوڑتے دیکھا۔ وہ پارک کی طرف چلا گیا تھا۔" عاقِب نے کہا۔ "ہمارے خیال میں تو وہ خان ہی ہے۔"

انسپکٹر نے کہا۔ "آؤ، پارک میں چلیں، شاید میرے سپاہیوں نے کسی کو ڈھونڈ لیا ہو۔"

"جناب، لڑکوں کا ابھی تک کچھ پتا نہیں چلا۔" انسپکٹر پارک میں پہنچا تو سپاہیوں نے اُسے بتایا۔ "لیکن ایک آدمی ہمیں مل گیا ہے۔ اُس کی کالی ڈاڑھی ہے۔"

جب سپاہی اس آدمی کو لے کر آئے تو تمام لوگ اُسے دیکھ کر اُچھل پڑے۔ وہ خان تھا۔ اس نے اکرم صاحب اور انسپکٹر سے بڑے غصّے سے کہا۔ "یہ کیا مذاق ہے۔"

اکرم صاحب ایک قدم آگے بڑھے اور بولے۔ "خان! میں جاننا چاہتا ہوں

کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"میں سرکس کی چوکیداری کرتا ہوں، صاحب۔" خان نے کہا۔

"اس کی باتوں پر نہ جائیں۔" عاقِب چلّایا۔ "اس سے پوچھیں کہ۔۔۔۔"

یکایک انسپکٹر آگے بڑھا اور اس نے خان کی ڈاڑھی پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ ڈاڑھی اُتر کر اُس کے ہاتھ میں آگئی۔ اُس نے نقلی ڈاڑھی لگائی ہوئی تھی۔

"اب بولو! تم کیا کہتے ہو؟" انسپکٹر نے کہا۔

"کیا کہوں؟" اُس نے جواب دیا۔ "سرکس تو رُوپ بہرُوپ کی دنیا ہے۔ یہاں سب بھیس بدلے پھرتے ہیں۔ میں نے بدل لیا تو کیا ہو گیا۔ مگر آپ لوگ غلط سمجھ رہے ہیں، میں خان نہیں ہوں، میرا نام مبارک ہے۔"

"مبارک!" عاقِب چلّایا۔ "میرا تو خیال ہے کہ تمہارا اصل نام گابُو ہے!"

"گابُو؟ یہ کون بلا ہے؟" مبارک نے کہا۔

"یہ گابُو نہیں ہے۔" اکرم صاحب نے کہا۔ "میں گابُو کو اچھّی طرح پہچانتا

ہوں۔

”مگر یہ گابُو کون ہے؟“ انسپکٹر نے پوچھا۔

”جناب، عنبر کا کہنا ہے کہ گابُو ہی نے راولپنڈی کے پٹرول پمپ پر ڈاکا ڈالا تھا اور وہی بِلّیاں چُرا رہا تھا۔ اس نے کسی بِلّی کے پیٹ میں ساٹھ ہزار روپوں کا کوئی سُراغ۔۔۔“

عاقِب کی بات ادھوری ہی رہ گئی کیونکہ مبارک نے اچانک سمندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”وہ دیکھیے! وہ کیا ہے؟“

ایک کشتی ساحل کی طرف آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اُس میں سے دو لڑکے اُترے اور پارک کی طرف آنے لگے۔

”یہ تو وہی ہیں، عنبر اور نسیم!“ عاقِب خوشی سے چلّایا۔

سوالیہ نشان

"تُم سمندر میں کیوں گئے تھے؟" انسپکٹر نے سوال کیا۔

عنبر نے مختصر لفظوں میں سارا قصّہ بتا دیا۔

"ہم نے ترپال کو بادبان کی طرح پکڑ لیا اور کشتی کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ ہوا اِدھر ہی کی تھی، اِس لیے ہم واپس پہنچ گئے۔" عنبر نے قصّہ ختم کرتے ہوئے کہا۔

"اور اِدھر دیکھو، ہم نے کسے پکڑ لیا ہے۔" عاقِب نے کہا۔

”یہ کون ہے؟“عنبر نے کہا۔”کیا یہ گابُو ہے؟“

”نہیں، یہ خان ہے، بغیر ڈاڑھی کا خان۔ اس کا اصلی نام مبارک ہے۔“

”مگر خان چور نہیں ہے۔“عنبر نے کہا۔”خان تو چور کو پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔“

”مگر عنبر۔“نسیم نے کہا۔”وہاں پارک میں خان کیا کہہ رہا تھا؟“

”وہ ہم سے نہیں، چور سے کہہ رہا تھا۔“عنبر نے کہا”پہلے میں بھی یہی سمجھا تھا کہ خان ہمیں ڈرا رہا ہے اور یہ خود ہی چور ہے، لیکن جب ہم کشتی میں چھپے تو میں نے محسوس کیا کہ وہاں پہلے دو آدمیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ بعد میں ایک آدمی کہیں چلا گیا اور ایک وہیں رہ گیا جس نے ہماری کشتی سمندر میں ڈال دی۔“

”لیکن خان تو نقلی ڈاڑھی۔۔۔۔“عاقِب بولا۔

”خان کا اصل نام مبارک ہے، اور اس کا اصل کام انسپکٹر صاحب دریافت

کرلیں گے۔ مگر ابھی تو ہمیں چور کو پکڑنا ہے۔"

"میں خود ہی بتائے دیتا ہوں۔" مبارک نے کہا۔ "میں دراصل انور کے نانا کا ملازم ہوں۔ انہوں نے مجھے یہاں بھیجا تھا تاکہ میں انور کی حفاظت کروں اور ساتھ ہی انہیں یہ بتاؤں کہ انور یہاں خوش بھی ہے یا نہیں۔ وہ انور سے بہت پیار کرتے ہیں اور اُس کے لیے کچھ بھی کرسکتے ہیں۔"

"سرکس میں جو حادثے ہوئے، اُن میں تمہارا ہاتھ تو نہ تھا؟" اکرم صاحب نے کہا۔ "انور کے نانا تو سرکس کو بہت بُرا سمجھتے ہیں۔"

"نہیں، حادثوں میں میرا کوئی ہاتھ نہ تھا۔ میں اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ انور کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ جب حادثے ہوئے تو میں نے انور کی کڑی نگرانی شروع کردی اور آپ سے باربار کہتا رہا کہ سرکس بند کردیں۔ بس، اس سے زیادہ میں اور نہیں جانتا۔" مبارک نے سنجیدگی سے کہا۔ "آپ چاہیں تو انور کے نانا کو ٹیلی فون کرکے ساری بات کی تصدیق کرسکتے ہیں؟"

”اب ہمیں سرکس چلنا چاہیے۔“ عنبر نے کہا۔ ”میرا خیال ہے اس وقت چور شو میں حصّہ لے رہا ہو گا کیوں کہ اُسے یہ پتا نہیں کہ باہر کیا کچھ ہو رہا ہے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ اکرم صاحب نے کہا۔ ”آؤ، چلیں۔“

سرکس پہنچ کر اُن لوگوں نے دیکھا کہ شو اسی وقت ختم ہوا ہے اور تماشائی باہر نکل رہے ہیں۔ تماشائیوں کے جاتے ہی انسپکٹر نے سپاہیوں سے کہا۔ ”سرکس کے چاروں طرف گھیرا ڈال لو۔ کسی آدمی کو باہر نہ نکلنے دینا۔“

سپاہی منٹوں میں سرکس کے اردگرد پھیل گئے۔ اچانک نسیم اور عاقِب کو محسوس ہوا کہ عنبر ان کے ساتھ نہیں ہے۔ انہوں نے عنبر کو پکارا مگر آس پاس سے کوئی جواب نہ آیا۔ سب لوگ پریشان ہو گئے۔ اسی لمحے انہیں معلوم ہوا کہ خان یعنی مبارک بھی وہاں نہیں ہے۔

انسپکٹر نے اپنے سپاہیوں کو چوکنّا ہونے کے لیے کہا اور خود اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ شو ختم ہو جانے کے بعد سرکس میں کام کرنے والے لوگ اپنا

میک اپ اُتار رہے تھے یا اُتارنے اپنے خیمے میں جا رہے تھے۔

اکرم صاحب نے سب ملازموں کو ایک جگہ پر اکٹھّا کیا۔ بہت سے لوگ اپنے میک اپ سمیت ہی وہاں آ گئے۔

”کیا آپ لوگوں میں سے کسی نے خان کو دیکھا ہے؟“ اکرم صاحب نے لوگوں سے پوچھا۔ ”ایک لڑکے کو، جس کی عمران لڑکوں کے برابر ہے؟“ اکرم صاحب نے نسیم، عاقِب اور انور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سب لوگ خاموش رہے۔ پھر عادل چیمپین آگے بڑھا اور بولا۔ ”کیا بات ہے اکرم صاحب؟ یہ سب کیا ہے؟ ہم میں سے تو کسی نے بھی انہیں نہیں دیکھا اور یوں بھی ہم لوگ ابھی ابھی شو سے واپس آ رہے ہیں۔“

تار پر چلنے والے دو آدمیوں نے بھی انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ہم نے بھی انہیں نہیں دیکھا۔“ ”میں نے بھی نہیں دیکھا۔“ مُنہ سے آگ کے شعلے نکالنے والے نے کہا۔

”میرا خیال ہے میں نے اُسے ایک آدمی کے ساتھ دیکھا تھا۔“ لمبے قد والے جوکر نے کہا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں جھاڑو تھی اور دوسرا ہاتھ جیب میں پڑا ہوا تھا۔ چھوٹے قد والا جوکر بھی اُس کے نزدیک ہی کھڑا تھا۔

”تم نے اُسے کہاں دیکھا تھا، اور کس کے ساتھ دیکھا تھا؟“ انسپکٹر نے پوچھا۔

لمبے جوکر نے مایوسی سے سر ہلا دیا۔ ”یہ مجھے نہیں معلوم۔“ چھوٹا جوکر لمبے جوکر کے ارد گرد ناچ رہا تھا۔ کبھی کبھار وہ کوئی مزاحیہ حرکت بھی کر دیتا، جس پر اکرم صاحب نے اسے ڈانٹ دیا۔ ”تمہیں مذاق کی سوجھ رہی ہے اور ہماری جان پر بنی ہوئی ہے۔“

”اگر چور نے عنبر کو پکڑ لیا ہے تو اُس نے اُسے یرغمال کیوں نہیں بنایا؟“ یکایک عاقِب نے کہا۔ ”ظاہر ہے اگر چور عنبر کو پکڑے گا تو اِسی مقصد سے پکڑے گا۔“

”میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“ انسپکٹر نے جواب دیا۔

اچانک لمبا جوکر اُچک کر بولا۔ ”انسپکٹر صاحب، جب میں نے اُس آدمی کو لڑکے کے ساتھ جاتے دیکھا تو شاید اُن کا رُخ پارک کی طرف تھا۔“

”اس کا مطلب ہے کہ وہ عنبر کو سمندر کی طرف لے گیا ہے۔“ انسپکٹر بولا۔ ”ہمیں اُدھر ہی چلنا چاہیے۔“

انسپکٹر اور دوسرے لوگ جانے ہی والے تھے کہ، نسیم جو کافی دیر سے خاموش کھڑا زمین کو گھورے جا رہا تھا، اُچھل کر بولا۔ ”جناب! کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ زمین پر دیکھیے۔“

جس جگہ چھوٹا جوکر بار بار اچھل رہا تھا، وہاں مٹّی پر دیکھیے ایک بڑا سا سوالیہ نشان بن گیا تھا۔

”ہمارا سوالیہ نشان!“ عاقِب چلّایا۔

گابُو کی گرفتاری

”چھوٹے جوکر کے روپ میں عنبر یہاں موجود ہے اور وہ بتا رہا ہے کہ لمبا جوکر۔۔۔۔۔“نسیم نے یہ کہا ہی تھا کہ اُسی لمحے لمبے جوکر نے دوسرا ہاتھ جیب سے نکالا اور جھاڑو والے ہاتھ سے چھوٹے جوکر کو پکڑ لیا۔

”خبر دار! کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے، ورنہ میں اِس لڑکے پر فائر کر دوں گا۔“اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔

انسپکٹر اور اس کے سپاہی جہاں کھڑے تھے، وہیں کھڑے رہ گئے۔

”انسپکٹر! کچھ کرو۔“ اکرم صاحب نے چلّا کر کہا۔

”بے وقوف مت بنو!“ انسپکٹر نے کہا۔ ”ہماری ذرا سی بے وقوفی سے عنبر کی جان خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ اسے جانے دو۔ کوئی اسے نہ چھیڑے۔“

سب لوگ دم بخود کھڑے تھے۔

لمبا جوکر چھوٹے جوکر کو پکڑے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ وہ بار بار دائیں بائیں دیکھ لیتا تھا کہ کوئی شخص اس پر حملہ آور ہونے کے لیے آگے تو نہیں بڑھ رہا۔ اب وہ ایک درخت کے نیچے سے گُزر رہا تھا جو سرکس کے باہر جانے والے راستے کے نزدیک ہی تھا۔

اچانک درخت میں سے ایک آدمی نے چھلانگ لگائی اور سیدھا لمبے جوکر کے اوپر آ گرا۔ عاقِب نے جھپٹ کر جوکر سے پستول چھین لیا۔

چند لمحوں تک دونوں آدمی گتھّم گتھّا ہوتے رہے مگر جلد ہی دوسرے آدمی نے لمبے جوکر کو بے بس کر دیا اور اُس کے دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے کر

کے پکڑ لیے۔

”یہ رہا، آپ کا مجرم!“ اس شخص نے کہا۔ یہ مبارک تھا۔

چھوٹے جوکر نے پہلے اپنی پکوڑا سی ناک اُتاری، پھِر گنجے سر کی وِگ اُتاری اور پھر موٹے موٹے سفید گال۔ اب چھوٹے جوکر کی جگہ عنبر کھڑا مُسکرا رہا تھا۔

”میں اس انتظار میں بیٹھا ہوا تھا کہ جو بھی مجرم ہو گا، وہ اِسی راستے سے آئے گا، اس لیے میں اس درخت کے اوپر بیٹھ گیا تھا۔“ مبارک نے بتایا۔ ”مگر میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اصل مجرم لمبا جوکر ہو سکتا ہے۔“ ”یہ لیجئے، اپنا مجرم سنبھالیے۔ اُمّید ہے اب آپ لوگوں کے میرے بارے میں سارے شک دور ہو گئے ہوں گے۔“

”عنبر! تم بتاؤ، آخر یہ سب کیا ہے؟“ انسپکٹر نے عنبر سے پوچھا جو اپنا پسینہ پونچھ رہا تھا۔ ”تم جوکر کیسے بن گئے اور تم نے لمبے جوکر کو کیسے چور سمجھ لیا؟“

”ابھی بتاتا ہوں۔“ عنبر نے رومال جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ ”دراصل جب ہم لوگ پارک میں کھڑے تھے تو مجھے اچانک دھیان آیا کہ چور کو یہ بات معلوم ہو گی کہ اس وقت پولیس اور ہم لوگ پارک میں ہیں۔ چنانچہ اُس وقت اس کے پاس چھپنے کی بہترین ترکیب یہی تھی کہ وہ سرکس میں جا کر اپنا پارٹ کرے۔ یوں بھی جب سے وہ ہماری کشتی کو پانی میں دھکیل گیا تھا، وہ فارغ تھا اور سرکس میں کرتب کر کے ہماری نظروں میں آنے سے بچ سکتا تھا۔“

”تم نے بہت صحیح سوچا۔“ اکرم صاحب نے تعریفی لہجے میں کہا۔

”یہی وجہ تھی کہ میں آپ سب کو وہاں باتیں کرتا چھوڑ کر سرکس کے اندر چلا گیا تھا۔ اگر میں آپ لوگوں کو یہ بات بتا دیتا تو شور مچ جاتا اور چور خبردار ہو جاتا۔ میں یہاں آیا تو لمبا جوکر اپنے خیمے میں کھڑا تھا۔ وہ اپنی ٹانگ پر سے پاجامہ اُٹھا کر کچھ باندھ رہا تھا، اور پھٹی ہوئی چھٹی بِلّی اُس کے پاؤں کے قریب پڑی تھی۔ اب معاملہ صاف تھا۔ لیکن میں نے دیکھا اُس نے اپنے

پاجامے کی جیب میں پستول رکھ لیا ہے۔ اگر میں شور مچاتا تو وہ فائر کر دیتا۔"

"پھر تُم نے کیا کِیا؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"میں بھاگا بھاگا چھوٹے جوکر کے خیمے میں گیا، اُسے ساری بات بتائی اور اُس کا لباس لے کر جوکر بن گیا۔ وہ اپنے خیمے میں پلنگ کے نیچے چھُپ گیا تاکہ کسی کو مُجھ پر نقلی جوکر ہونے کا شک نہ گزرے۔ اکرم صاحب، آپ کسی آدمی کو بھیج کر اُسے پلنگ کے نیچے سے نکال لیجیے۔"

"ابھی بھیجتا ہوں۔۔۔ عادل ذرا آپ۔۔۔۔" اکرم صاحب نے کہا اور عادل فقرہ پورا ہونے سے پہلے ہی چلا گیا۔ دو منٹ کے اندر اندر عادل اور چھوٹا جوکر وہاں آ گئے۔

"اگر یہ میری مدد نہ کرتا تو شاید مجھے بہت پریشانی ہوتی۔" عنبر نے چھوٹے جوکر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں، تو پھر میں چھوٹا جوکر بن کر اندر چلا گیا۔ اس وقت آخری کرتب ہو رہا تھا۔ اس کے بعد شو ختم ہو گیا اور ہم لوگ باہر آ گئے، اور ہمیں اکرم صاحب نے یہاں بُلا لیا۔ باقی جو کچھ

ہوا، آپ کے سامنے ہے۔"

"تم نے مُنہ سے کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ چور ہے، اسے پکڑ لو۔" اکرم صاحب نے کہا۔ "اگر تمہارے ساتھی زمین پر سوالیہ نشان نہ دیکھتے تو؟"

"چور کا ایک ہاتھ جیب میں تھا، اور میں جانتا تھا کہ اس جیب میں پستول ہے۔ باقی رہا سوالیہ نشان، تو مجھے علم تھا کہ عاقِب اور نسیم اِس نشان کو فوراً سمجھ جائیں گے۔"

"اور اس نے اپنی ٹانگ پر کیا چیز باندھی تھی؟" عاقِب نے پوچھا۔

"یہ آپ دیکھیں۔" عنبر نے کہا۔ "میرا خیال ہے اس چیز کی مدد سے آپ ڈاکے کی ساٹھ ہزار روپے کی رقم حاصل کر سکتے ہیں۔"

انسپکٹر نے جوکر کی ٹانگ پر بندھی ہوئی پٹّی کھولی تو اُس میں سے ایک چابی نکلی، بینک لاکر کی چابی۔

"اب آپ اس سے پوچھ سکتے ہیں کہ وہ رقم اس نے کس بینک میں رکھی

ہے۔" عنبر نے کہا۔ "لیکن آپ اس کا اصلی روپ تو ہمیں دکھائیں۔"
انسپکٹر نے لاکر کی چابی اپنی جیب میں ڈالی لی اور جوکر کا میک اپ اُتار دیا۔
اب جوکر کی جگہ سفید بالوں والا ایک بُوڑھا آدمی اُن کے سامنے کھڑا تھا۔

"دیکھ لو۔" اس نے غصّے سے کہا۔ "کیا میں چور ہوں؟"

ایک دفعہ کو عنبر کا سر بھی چکرا گیا۔ وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ یہ ایک بُوڑھا آدمی ہو گا۔ یہ شخص نہ تو راولپنڈی میں دیوار پر چڑھ کر بھاگ سکتا تھا اور نہ پارک کے جنگلے کو پھلانگ سکتا تھا۔

"یہ چور نہیں ہے۔" عنبر کے مُنہ سے نکلا۔

"ہاں، یہ چور کیسے ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔ "لیکن چابی تو اِسی کے پاس سے ملی ہے!"

"میں آپ کو سچ سچ بتا دیتا ہوں۔" بوڑھے نے کہا۔ "مجھ سے خان نے کہا تھا کہ بِلّی چُراؤں اور اُس میں سے چابی نکال کر اُس کو دے دوں۔ اِس کام کے

لیے وہ مجھے ایک ہزار روپے دے گا۔"

یہ جھوٹ بول رہا ہے!" خان یعنی مبارک نے زور سے کہا۔ "میرا اِس سے کوئی واسطہ نہیں۔ سچ بات میں آپ کو بتا چکا ہوں۔"

"یہ آدمی جھوٹ بول رہا ہے۔" بُوڑھے نے کہا۔ "نہیں، یہ جھوٹ بول رہا ہے۔" مبارک بولا۔

"ان میں سے ایک آدمی ضرور جھوٹ بول رہا ہے۔" عنبر نے انسپکٹر سے کہا اور دونوں آدمیوں کو غور سے دیکھنے لگا۔ چند منٹ تک وہ اِسی طرح انہیں دیکھتا رہا، پھر اچانک انسپکٹر کی طرف مڑا اور بولا۔ "جناب، مجھے تو یہ بوڑھا ہی جھوٹا لگ رہا ہے۔ بلکہ ہو سکتا ہے اُس نے بوڑھے آدمی کا میک اپ کر رکھا ہو۔"

"لیکن یہ تو جب سے نوکر ہوا ہے تب سے ہی بوڑھا ہے۔" اکرم صاحب نے کہا۔

”ہو سکتا ہے یہ آپ سے بوڑھے کے میک اپ ہی میں ملا ہو۔“

انسپکٹر نے آگے بڑھ کر بُوڑھے کے چہرے کی جھُرّیوں کو چھُو کر دیکھا، اُس کے بعد اس نے چہرے کی کھال پکڑ کر جھٹکا دیا۔۔۔ بوڑھے کے چہرے پر سے نقاب اُکھڑ کر اُس کے ہاتھ میں آ گیا۔

”گابُو! تم“ اکرم صاحب چلّا کر بولے۔

”تو یہ گابُو ہی ہے۔“ عنبر نے کہا۔

”ہاں، بالکل۔ یہ گابُو ہی ہے۔ سو فی صد گابُو۔“ اکرم صاحب نے کہا۔ یہی وہ آدمی تھا جسے ہم نے ۴۷ نیا بازار اور ۳۲ فردوس پارک میں کل دیکھا تھا۔ اس وقت اس نے اپنے ہاتھ پر نیلے رنگ کا بحری جہاز چپکایا ہوا تھا۔“ عنبر نے کہا۔

”تم بہت عظیم ہو عنبر!“ اکرم صاحب نے کہا۔

”عظیم! واقعی عظیم!“ انسپکٹر نے عنبر کی پیٹھ تھپکی۔

”تم شروع سے کہتے تھے کہ وہ آدمی سرکس ہی میں رہتا ہے۔“ انور نے کہا ”تمہاری بات کسی نے نہ مانی لیکن تم اسی پر ڈٹے رہے اور اسے سچ کر دکھایا۔“

”لیکن تم اپنی بات پر کیوں ڈٹے ہوئے تھے، عنبر؟“ نسیم نے پوچھا۔

”اس وجہ سے کہ سرکس رُوپ بہرُوپ کی دنیا ہے۔ یہاں مجرم اپنا چہرہ بدل کر بڑی آسانی سے رہ سکتا ہے۔ گابُو ہی دیکھو۔ اس نے دو دو رُوپ بھر رکھے تھے۔ ایک بوڑھے کا اور ایک جوکر کا۔“ عنبر نے کہا۔

”لیکن تمہاری نظروں میں جو خُردبین لگی ہوئی ہے، وہ اُس سے نہ بچ سکا۔“ نسیم نے بے ساختہ کہا۔

سب لوگ یہ سُن کر ہنسنے لگے۔

ختم شد